ہرو بال پستکالیہ
بہت دن ہوئے
(حصہ دوم)
Govt.

داستان (ناول)
۲۳۲
URDU LIBRARY GOVT.
ACC No. 16594
6/9/81

نہرو بال پُستکالیہ ـــــ 26

بہت دن ہوئے

(حصّہ دوم)

مصنف :
ایم۔ چوکسی اور پی۔ ایم۔ جوشی
مصور :
پلک بسواس
مترجم :
پریتم لال
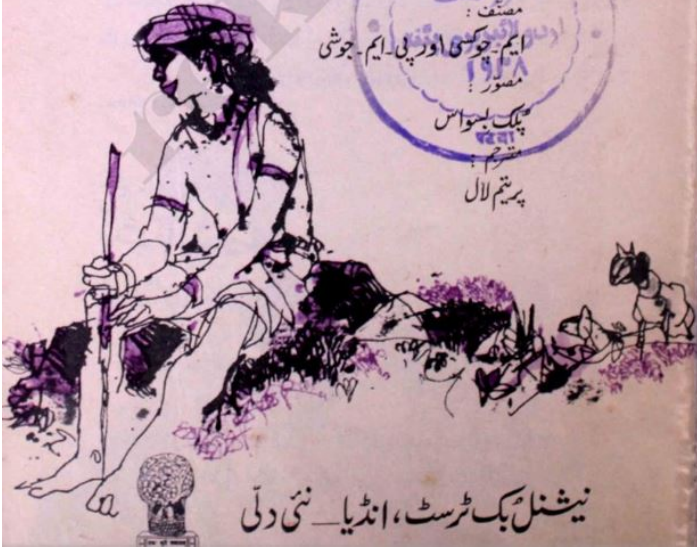
نیشنل بک ٹرسٹ، انڈیا ــ نئی دلّی

فروری 1975 (پھاگن 1896)

© ایم۔ چوکسی اور پی۔ایم۔ جوشی

قیمت : ۵۰/۱

ONCE UPON A TIME
(Part II) ______ (URDU)

تقسیم کار:
مکتبہ جامعہ لمیٹڈ
نئی دلی ۲۵، دلی ۶، بمبئی ۳، علی گڑھ ۲

ڈائریکٹر نیشنل بک ٹرسٹ، انڈیا A-5 گرین پارک، نئی دلی 16 نے
تھامسن پریس (انڈیا) لمیٹڈ، فرید آباد (ہریانہ) میں چھپواکر شایع کیا۔

کارلا، ایک عظیم بُدھ خانقاہ

جیمُت اور بھکشو

تقریبًا دو ہزار برس پہلے مغربی گھاٹ کے پہاڑوں کے نیچے پھیلے علاقے میں جو اب 'کارلا' کہلاتا ہے 'ولورکا' نامی ایک گاؤں تھا۔ کارلا کے غاروں میں جانے کا راستہ یہیں سے شروع ہوتا تھا۔

جنوب کے جنگل بہت گھنے تھے۔ جنگلی جانور لوگوں کے گھروں کے آس پاس چکّر کاٹا کرتے تھے۔ جنگل کے گاؤں عظیم شَت واہَن خاندان کے دورِ حکومت میں خوب پھلے پھُولے تھے۔ اس خاندان کے راجاؤں نے اپنی مملکت میں ہمیشہ امن و امان قایم رکھا تھا۔

شمالی ہندوستان کے میدانوں کی طرح اس اوبڑ کھابڑ علاقے میں بڑی سڑکیں نہیں تھیں۔ پہاڑیاں سیڑھیوں کی طرح ایک کے اوپر ایک اٹھتی چلی جاتی تھیں اور پھر زبردست ڈھلان آجاتی تھی۔ اوپر نیچے کچھ راستے تھے جن پر جانور کھیت کھلیانوں سے بوجھ ڈھو ڈھو کر لے جایا کرتے تھے۔

جیمُت یتیم تھا اور اپنے چچا چچی کے ساتھ گاؤں میں ایک سرے پر بنی جھونپڑی میں رہتا تھا۔ کھیتی سے کچھ خاص آمدنی نہیں ہوتی تھی۔ خاندان کا سہارا کچھ بکریاں تھیں جن کی دیکھ بھال جیمُت کرتا تھا۔ چچی کا مزاج بڑا چڑچڑا تھا اور اکثر وہ جیمت کے ساتھ بڑی سختی سے پیش آتی تھی۔ چچا بھی کم جھگڑالو نہیں تھا، اسی لیے نیچے کی چراگاہوں میں اسے کوئی جگہ نہیں ملی تھی۔ جیمُت صُبح سویرے ہی کالے باجرے کی روٹی کا ایک ٹکڑا لے کر اُوپر پہاڑیوں پر بکریاں چرانے چلا جاتا اور سُورج ڈوبتے گھر واپس آجاتا۔

پہاڑ پر چڑھتے چڑھتے تقریباً آدھے راستے پر جیمُت روز رُک جاتا۔ ایک بڑی سی چٹان میں ایک غار تھا۔ گذشتہ تین سالوں سے اس غار میں بودھ بھکشوؤں کا ایک مٹھ تھا۔ جیمُت غار کے پاس گزرتے ہوئے مٹھ کے خوبصورت کھمبوں کو دیکھا کرتا۔ صدر دروازے پر تہرے ستون اسے بہت اچھے لگتے تھے۔ وہاں اسے اِدھر اُدھر چلتی پھرتی اور گیروے کپڑوں میں ملبوس صورتیں نظر آتی تھیں۔ کوئی پُھس پُھسا کر منتروں کا جاپ کر رہا ہوتا تو کوئی مراقبے میں بیٹھا ہوتا اور کبھی کبھی جیمُت ان لوگوں کو کہتے ہوئے سُنتا: ”مہاتما بُدھ، دھرم اور سَنگھ ہی ہماری پناہ ہیں۔“

اُن ہی عبادت گزاروں میں سے ایک شخص کبھی کبھی جیمُت کے سر پر ہاتھ رکھ کر اُسے دُعا دیتا تھا۔ جیمُت وہاں جو کچھ دیکھتا، اس کے بارے میں جاننے کی

Govt. Urdu Library
16594

اسے بہت خواہش ہوتی تھی۔ اندھیرا ہال، بڑے بڑے مُدوّر ستون اور ان پر نقش عورتوں مردوں کی شبیہیں، جانور اور بیل بُوٹے اور سب سے بڑھ کر استوپ کی گہرائی جیمُت کے ذہن میں سوال بنی ہوئی تھی۔ بودھ بھکشو مدھوسودن جب کبھی رُک کر اس کے سر پر ہاتھ رکھتے تو جیمُت اپنی ساری ہمّت اکٹھی کر کے ان سے کچھ پوچھنا چاہتا لیکن اس سے پہلے کہ سوال لبوں سے نکلے، مدھوسودن چلے جاتے۔

یہ دور سمراٹ اشوک سے چارسو سال بعد کا تھا۔ مہاراجہ اشوک کی کوششوں سے بُدھ دھرم کا پرچار اس کی عظیم الشان سلطنت میں ہو چکا تھا اور اس کے خراج گزار اور مددگار راجہ مہاراجہ بھی بُدھ دھرم قبول کر چکے تھے۔ غرض چاروں طرف بُدھ دھرم کا ہی دور دورہ تھا۔

دوسری صدی ق۔م سے ہی بودھ بھکشو عبادت اور قیام

کے لیے سنسان جگہوں کی تلاش میں رہتے تھے۔ پہاڑ اور پہاڑیوں کے دروں اور غاروں میں انھیں پناہ کی جگہ مل جاتی تھی۔ مٹھ کے بیچ میں عبادت کے لیے ایک وسیع ہال ہوتا تھا، اسے 'چیتیہ' کہتے تھے۔ اسی چیتیہ میں بُدھ کا یادگاری استوپ بنا ہوتا تھا۔ دکّن کے اَن گنت بودھ مٹھوں میں سے کارلا کا یہ مٹھ سب سے خوبصورت اور خوش حال تھا۔

پہاڑی علاقے کی ان بستیوں میں مندر ہوتے تھے جہاں لوگ پُوجا کرنے آتے تھے۔ بھکشوؤں کے رہنے کے لیے وِہار ہوتے تھے اور اس کے ساتھ ہی 'تعلیم گھر' بھی تھا جہاں بودھ دھرم کی تعلیم دی جاتی تھی۔ ہر بڑا بھکشو یا 'تھیر' کچھ نوجوان بھکشوؤں کا گُرو ہوتا تھا اور وہ ان کی تعلیم کی نگرانی کرتا تھا۔ مذہبی اور فلسفیانہ مباحث وِہاروں میں بڑے عالموں کی نگرانی میں منعقد ہوتے تھے اور ان میں وہاں کے رہنے والے اور مہمان سب ہی شرکت کرتے تھے۔

پہاڑوں کی ان خانقاہوں اور نشیبی دیہاتوں میں رہنے والے لوگوں میں ہمیشہ قریبی تعلق بنا رہتا تھا۔ عبادت گزار لوگ ان خانقاہوں میں عبادت کے لیے جاتے رہتے تھے۔ تیوہاروں کے موقعوں پر دِن رات شمعیں روشن رہتی تھیں اور لوگ مسلسل اپنی نذریں چڑھاتے رہتے تھے۔

جیمُت اپنی زندگی میں بالکل تنہا تھا۔ اس کے چچا اور چچی کیوں کہ جھگڑالو تھے اس لیے انھیں کوئی پسند نہیں کرتا تھا اور کیوں کہ جیمُت خود صُبح سے شام تک اپنے بکروں کے ساتھ باہر رہتا تھا اس لیے پہاڑیاں اور چٹانیں ہی اس کی ساتھی تھیں۔

ایک شام جب اس کا چچا جھونپڑے کے باہر بیٹھا کچھ گاؤں والے سے باتیں کر رہا تھا تو جیمُت نے پوچھا "تاتا! گیروا لباس پہننے والے وہ پُجاری کون ہیں جو پہاڑی کے دامن میں بنے پتھریلے مکان میں رہتے ہیں؟"

"وہ بھکاری ہیں" چاچا نے رُوکھے پن سے جواب دیا۔ "دن بھر کوئی کام نہیں کرتے اور کھانے کے لیے بھیک مانگنے چلے آتے ہیں۔"

"بھکشو بھکاری نہیں ہوتے" ایک بزرگ بولے۔ "وہ غریب ضرور ہیں لیکن بھیک نہیں مانگتے۔ یہ ٹھیک ہے کہ ایک جوان بھکشو اپنے برتن لے کر گاؤں میں پھیرا لگانے آتا ہے لیکن وہ بھی زبان سے کچھ نہیں مانگتا۔ لوگ اپنے اپنے کھانے میں سے تھوڑا تھوڑا حصّہ خوشی خوشی اس کے برتنوں میں ڈال دیتے ہیں۔"

"ان کے گوداموں میں تیل اور اناج بھرا رہتا ہے۔" کَلھا نے کہا۔

"ہاں!" بزرگ نے کہا "راجاؤں اور امیروں نے گاؤں دیہات وِہار کے نام وقف کر دیے ہیں۔ ان کی آمدنی سے اناج خریدا جاتا ہے۔ سَخیوں نے ستون، محرابیں، تالاب وغیرہ بنوا دیے ہیں۔ غریب امیر سب ہی بھکشوؤں کو خیرات

دیتے ہیں کیوں کہ وہ عقل مند اور قابلِ احترام ہوتے ہیں۔"

"وہ بیماروں کی تیمارداری کرتے ہیں اور اپنے باغ سے جڑی بوٹیاں لاکر ان کا علاج کرتے ہیں۔" دوسرے نے بتایا۔

"ایک بار میری گائے بھٹک گئی تھی، تب بھکشوؤں نے ہی میری مدد کی تھی۔" تیسرے نے کہا۔

"ابھی کچھ سال پہلے جب فصل بالکل خراب ہوگئی تھی" ایک اور شخص بولا۔ "تب بھکشوؤں نے ہی اپنے گوداموں سے اناج دے کر کتنے ہی خاندانوں کی مدد کی تھی۔"

"یہ تو ایک بار کی بات ہے ___ ویسے ان کے گوداموں سے کس کا بھلا ہوتا ہے۔" کلہا کا لہجہ اب بھی تیکھا تھا۔

"خود بھکشوؤں کے کام آتا ہے، مہمانوں کے کام آتا ہے ___ راہ گیر، مُسافر، طالب علم غرض جو بھی وِہار دیکھنے یا تعلیم حاصل کرنے کے لیے آتے ہیں، ان کے کھانے پینے کا انتظام ان ہی گوداموں سے ہوتا ہے۔ بھکشو بھلائی کا کام کرتے ہیں اسی لیے لوگ ان کی ضرورتوں کا خیال رکھتے ہیں اور پھر ان کی ضرورتیں ہیں ہی کتنی؟"

"جن لوگوں کی تصویریں دیواروں پر کھُدی ہیں، انھوں نے کتنے قیمتی کپڑے پہن رکھے ہیں۔" حاضرین میں سے کوئی پھُس پھُسایا۔

"چیتیہ غار بہت خوب صورت ہے۔ بلند و بالا ستونوں سے گِھرا استوپ کتنا باوقار لگتا ہے۔ ہونا بھی چاہیے، پاکیزہ مقام جو ٹھہرا! وہاں مہاتما بُدھ کا ایک بال رکھا ہوا ہے۔"

"اچھے اچھے لباس میں جو تصویریں تراشی گئی ہیں اور جن کے بال سنوار کر کاٹے گئے ہیں، وہ سب خیرات دینے والے یا ان کے ماں باپ ہیں۔ خود بھکشو تو

بے حد سادگی پسند ہیں۔ گھُٹا ہوا سر اور گیروے رنگ کا لمبا کُرتا، بس! جن کمروں میں وہ رہتے ہیں، وہ بھی ان ہی کی طرح سادے ہیں۔ پہاڑ کے کنارے ایک قطار میں جو غار بنے ہیں، انھیں میں وہ سوتے ہیں۔ یہ غار ایک کے لیے بھی ہیں اور دو کے لیے بھی۔ دو والے غاروں میں شاگرد کے ساتھ گُرو بھی سوتے ہیں۔ نئے بھکشوؤں اور مہمانوں کے لیے کچھ مہمان خانے بھی ہیں۔ ان کا بِستر ایک چبوترہ ہے جس میں سر ٹِکانے کے لیے جگہ ذرا اونچی کردی گئی ہے۔"

جیمّت دل چسپی سے سُنتا رہا لیکن اسی وقت اس کی چچی نے چِلّا کر کہا۔

"وہاں کیا کر رہا ہے؟ نِکمّا کہیں کا۔ دِن بھر کھیلتا رہتا ہے اور اب بڑوں کے بیچ میں بیٹھ کر ان کی باتیں سُن رہا ہے۔ کل پھر دیر سے اُٹھے گا...."

جیمّت جیسے ہی اپنی چچی کے پاس گیا، چچی نے اس کے چانٹا رسید کردیا۔

دِن کے بعد دِن گزرتے گئے۔ جیمُت اپنی بکریاں لے کر پہاڑ کی چوٹی پر جاتا رہا۔ بودھ مٹھ کے پاس سے گزرتا تو اس کا دِل چاہتا کہ وہ کسی سے باتیں کرے، کچھ سیکھے۔ لیکن ایسا موقعہ اسے کبھی نہیں ملا۔ آخر قسمت نے ساتھ دیا۔

ایک دِن اس کا چاچا بیمار پڑ گیا۔ اس کی تیمارداری میں مصروف ہو جانے کی وجہ سے بکریوں کو لے جانے میں دیر ہو گئی۔ جیسے ہی وہ جھونپڑے کے باہر نکلا، اس نے دیکھا کہ ایک لمبا جوان بھکشو اپنا کشکول لیے سامنے سے گزر رہا ہے۔ وہ کچھ مانگ نہیں رہا تھا لیکن جو لوگ اس کے کشکول میں کچھ سامان ڈالتے تھے تو وہ ان کا شکریہ ضرور ادا کرتا تھا۔

وہ بھکشو آنند تھے۔ تری رشمی (ناسِک) مٹھ سے اپنی تعلیم مکمل کرنے کے بعد یہاں کارلا مٹھ میں ابھی حال ہی میں آئے تھے۔

اپنا کشکول لیے وہ خاموشی سے گھوم رہے تھے۔ گاؤں والوں کے پاس جو کچھ تھا اس کا ایک حصّہ وہ اس کشکول میں ڈال رہے تھے۔ کچھ گھر والیوں نے مٹھی بھر چاول دیے تو کچھ پتّوں میں رکھ کر تھوڑا دہی ڈال گئیں۔ جیمُت کے پاس دِن بھر کی خوراک کالے باجرے کی روٹی تھی۔ اس کی بڑی خواہش تھی کہ وہ بھی کچھ دے۔ اپنی روٹی کا آدھا حصّہ اس نے کشکول میں ڈال دیا۔ بھکشو نے مُسکرا کر اس کا شکریہ ادا کیا۔

جیمُت نے فیصلہ کیا کہ وہ روزانہ اپنا کھانا بھکشوؤں کے ساتھ بانٹ کر کھائے گا۔ اس نے بھکشو آنند سے کہا۔ ”اس کشکول میں اپنا حصّہ روز ڈالنا چاہتا ہوں لیکن مجھے صُبح سویرے ہی گھر چھوڑ دینا پڑتا ہے۔ اگر کھمبے کے پاس ایک کشکول رکھ دیا جائے تو جاتے وقت اپنے کھانے کا ایک حصّہ اس میں ڈالتا جاؤں۔“

بھکشو آنند جیمُت سے کچھ لینا نہیں چاہتے تھے لیکن اسے رنجیدہ کرنا بھی مناسب نہیں تھا۔ اسی لیے انھوں نے جیمُت سے کہا کہ وہ اس سلسلے میں بھکشو مدھوسودن سے بات کریں گے۔

انھوں نے بھکشو مدھوسودن سے بات کی۔ انھوں نے کہا کوئی طریقہ سوچیں گے۔

"بچّے کی خواہش کچھ دینے کی ہے تو اسے مایوس نہیں کرنا چاہیے"۔ انھوں نے کہا۔

کچھ دِن بعد جب جیمُت ادھر آیا تو دو بھکشو اس کا انتظار کر رہے تھے۔ "ہم تمھارے مشکور ہیں کہ تم ہماری مدد کرنا چاہتے ہو"۔ بڑے بھکشو نے سنجیدگی سے کہا "ہر ساتویں دِن کشکول یہاں رکھ دیا جائے گا۔ اس دِن مُسافر آتے ہیں اور ہمیں زیادہ کھانے کی ضرورت پڑتی ہے۔ تم اپنا کھانا کس طرح تقسیم کرو۔ میں یہ بھی بتاتا ہوں۔ اپنی روٹی کے دو حصے کرنا اور پھر ایک حصّے کے تین ٹکڑے کرنا، دیکھو اس طرح اور ان میں سے ایک ٹکڑا برتن میں رکھ دینا۔"

"لیکن وہ تو بہت چھوٹا سا ہوگا"۔ جیمُت بولا۔

"مہربانی اور محبّت سے دی ہوئی چھوٹی سی چیز کی بھی اہمیت بھگوان بُدھ کے لیے بہت بڑی ہے اور چھوٹی چھوٹی بہت سی چیزیں مل کر بڑی ہو جاتی ہیں۔ پتّھر سے بنے ہوئے اس وِہار کو دیکھو۔ برسوں میں بہت سے امیر غریب داتاؤں نے اپنی حیثیت کے مطابق خیرات دی تو یہ عظیم الشان وِہار تیار رہوا جہاں بھگوان بُدھ کی آج پُوجا ہوتی ہے۔"

"اب تم جاؤ"۔ بوڑھے بھکشو نے مُسکرا کر کہا۔ "کسی دِن بھکشو آنند بھگوان بُدھ اور انسانیت کے لیے ان کے پیغام کے بارے میں تمھیں بتائیں گے۔"

پتّھر کا خوبصورت مکان

جیمُت کچھ دن تک نظر نہیں آیا۔ ایک دِن گاؤں کی ایک عورت نے بھکشو آنند کو بتایا کہ جیمُت کو بُخار آرہا ہے۔ جڑی بُوٹی اور پتّیاں لے کر آنند جیمت کے گھر گئے۔ ایک ہفتے کے علاج کے بعد وہ ٹھیک ہو گیا۔

بیماری کے دوران بھکشو آنند کے ساتھ جیمُت کی دوستی گہری ہو گئی۔ اب جیمُت مختلف سوال پُوچھتا رہتا تھا۔

چیتیہ گُفا کے صدر دروازے پر ایک اونچا ستون تھا جس کی بلندی پر چار جانور سے بنے ہوئے تھے۔

"یہ جانور کیا ہیں؟" ایک دِن اس نے پوچھا۔

"یہ شیر ہیں۔ شمال میں بہت ہوتے ہیں"۔ بھکشو آنند بولے "کبھی کبھی اونچے ستونوں پر انھیں کھدوا جاتا ہے۔ یہ عظیم ستون مہارشی گوٹی کے بیٹے اگنی مِتنکا نے عطا کیا تھا۔"

"یہاں رہ کر انھوں نے اسے بنایا تھا؟" جیمُت نے پوچھا۔

”نہیں!“ آنند مُسکرائے ”گفائیں کئی لوگوں کی خیرات سے مل کر بنی ہیں۔ راجا اور امیر، تاجر اور دستکار، ہَل چلانے والے اور ٹوکری بنانے والے، غرض سب نے ہی مدد کی ہے۔ گفاؤں کی تعمیر ماہر سنگ تراشوں نے کی ہے۔“

”میں یہ کام کر سکتا ہوں؟“ جیمُت پھر شرمایا۔

”الگ الگ کام کے سکھانے والے لوگ الگ الگ ہیں۔ ان کی نگرانی میں کام کرنے سے پہلے بہت کچھ سیکھنا پڑتا ہے۔“

ستون کے پیچھے ایک مرد عورت کی تصویر کھُدی ہوئی تھی۔ آنند نے کہا ”وہ دیوپال اور ان کی بیوی کشما ہیں۔ وہ کرجک میں رہتے ہیں۔ مٹھ کے لیے انھوں نے بہت سی زمین دی ہے۔ اسی لیے ان کی یادگار میں ان کی شبیہیں یہاں تراشی گئی ہیں۔“ بھکشو آنند کہتے گئے۔

”ان زمینوں سے ہمیں اناج ملتا ہے جس سے مٹھ اور مٹھ کے مہمانوں کا کام چلتا ہے، دولت مند لوگ ہماری ضرورتیں پوری کرتے ہیں تاکہ ہم اپنا سارا وقت علم حاصل کرنے اور مذہبی تعلیم دینے میں صَرف کر سکیں۔ کبھی کبھی اناج فروخت کر کے مٹھ میں جلانے کے لیے تیل خریدا جاتا ہے۔ ایک بھکشو کو گیروے لباس اور معمولی سے کھانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اندر آؤ اور بائیں طرف سے پانچویں ستون کو دیکھو، اسے دھینوکَکٹا کے دھم نامی یونانی نے عنایت کیا تھا۔ تیسرا اور دوسرے چند ستون بھی یونانیوں کی طرف سے بطور تحفہ ملے ہیں۔ یہ یونانی دور سے آئے تھے۔“

اب بھکشو مدھوسودن بولے ”پیپل کی خوبصورت محراب، اس پیپل کی یاد میں بنائی گئی ہے جس کے نیچے بیٹھ کر بُدھ کو گیان حاصل ہوا تھا۔ جو اس گفا میں داخل ہوتا ہے اسے سچ اور گیان کی تلاش ہوتی ہے۔ اگر اندر آنے کا موقع نہیں تو وہیں پیپلی محراب کے نیچے کھڑے ہو کر کہو ’اوم منی، پدم اوم‘۔ بدھ اپنے مکمل تخت پر براجمان ہیں، تمھیں سکون ملے گا، کبھی کوئی تکلیف ہو یا کسی پریشانی میں پڑو تو بُدھ تمھیں شانتی دیں گے، تکلیف دُور ہو جائے گی اور اس کا تمھیں احساس بھی نہیں ہوگا۔“

بھکشو آنند نے بھی مہاراجہ اشوک کے بارے میں جیمُت کو بتایا۔ جنگوں میں ہمیشہ

فاتح رہنے والے نے کس طرح امن و شانتی کو اپنا لیا۔ اشوک نے دُور دُور بھگوان بُدھ کے پیغام کی تشہیر کی اور اس طرح بُدھ کا پیغام مدھیہ بھارت تک آیا۔

مغربی ہندوستان کے پہاڑوں پر جو گفا — وِہار تھے، ان کے بارے میں بھی آنند نے جیمُت

کو بتایا۔ کارلا کے نزدیکی ماجا وِہار کے بارے میں بھی بتایا۔ ناسِک کے وِہار کا بھی تذکرہ کیا۔ انھوں نے کہا " بدھ کا اثر ملک کے سب ہی لوگوں پر پڑا، چاہے وہ کسی بھی مذہب کا ماننے والا ہو اور کوئی بھی عقیدہ رکھتا ہو۔ گیروا لباس پہننے والے بھکشوؤں کی عزّت اور ان کی مدد سب ہی کرتے تھے۔"

بدیشی حکمران اشودت کی بات بھی بتائی جو نَیہانا کے راجا سَک استرپ کے داماد تھے، جن کے بارے میں کارلا اور ناسِک دونوں وِہاروں میں کھودا گیا ہے جن سے پتہ چلتا ہے کہ وہ برہمن اور بھکشو دونوں ہی کو دان دیتے تھے۔ انھوں نے برہمنوں کو گائیں دیں اور ناسِک کے وِہار کے لیے ناریل کے آٹھ سو پیڑوں کا ایک باغ عطا کیا۔ کارلا اور ناسِک دونوں ہی جگہ پتھروں پر کُندہ ہے کہ کس طرح سَت کَرن راجاؤں نے سَک استرپوں کو ہرا کر ان کے دیے ہوئے عطیوں میں اضافہ کیا۔ دروازے کے اُوپر والے پتّھر پر کندہ تھا کہ راجا گوتمی پُتر نے اپنے اجداد کے دیے گئے عطیوں میں سُدھار کیا اور انھیں زیادہ کار آمد بنایا۔

غریب غُربا بھی بھکشوؤں کو کچھ نہ کچھ دینا چاہتے تھے۔ آنند نے پتّھر کی بنی کمر بند نما پیٹی کی طرف اشارہ کیا جو گُفا کے دروازے کی محراب کے نیچے بنی ہوئی تھی۔ " یہ بھکشی اشودھیتنا کی دین ہے، جس کے لیے اس نے بہت سے خوش حال لوگوں سے دان لیا ہوگا۔"

بُھوت پال نامی ایک تاجر نے صدر دروازے کے دونوں طرف پانچ منزلہ محرابی دروازے بنوائے تھے۔ بہت دُور مغرب سے آنے والے یُونانی تاجروں کے بارے میں جاننے کے لیے جیمُت بڑا بے قرار تھا۔ " وہ سمندر کے راستے آتے تھے۔" آنند نے اسے بتایا۔ "وہ بہت پہلے ایک نوجوان فاتح سِکندر کے ساتھ آئے تھے لیکن بعد میں واپس چلے گئے۔ اب وہ محض تجارت کے لیے آتے ہیں اور بُدھ کی تعلیم کی طرف ان کا بڑا رُجحان ہے۔"

جیمُت کو معلوم ہوا کہ کئی دان دینے والے یُونانی اور دوسرے لوگ، سِم دت عطر فروش اور بڑھئی سمینا دھینوکاکٹ سے آئے تھے۔ اس نے گنتی کی تو ان کی تعداد چودہ نکلی۔ اسے خوشی ہوئی کہ لوگ بُدھ اور ان کے بھکشوؤں سے اتنی محبّت رکھتے تھے۔

چیتا اور بکری

ایک دِن گھر آتے وقت جیمُت جب اپنی بکریوں کو گِننے لگا تو پتہ چلا ایک بکری کم ہے۔ خوب صورت چمکیلے کالے رنگ کی بکری غائب تھی۔ جیمُت جانتا تھا کہ اس کا چچا اسے معاف نہیں کرے گا۔

اندھیرا بڑھ رہا تھا۔ جیمُت نے سوچا باقی بکریوں کو گھر پہنچا دینا اچھا رہے گا اور رات میں اُٹھ کر وہ گُم شدہ بکری کو ڈھونڈنے آجائے گا۔

راستے میں ایک بوڑھے بھکشو نے اس سے کہا " جلدی گھر جاؤ، گاؤں والے کہہ رہے ہیں، ادھر چیتا آیا ہے۔"

جیمت نے دِل ہی دِل میں سوچا "واپس تو مجھے آنا ہی ہے، چیتا آیا ہو یا نہ آیا ہو"۔ اور جیسے ہی سب لوگ سو گئے، وہ پہاڑ کی طرف چل پڑا۔

جیمت تھکا ہوا تھا۔ اسے ڈر بھی لگ رہا تھا۔ جیسے جیسے وہ پہاڑ پر چڑھتا گیا، اسے رونا آنے لگا اور وہ آہستہ آہستہ آنسو بہانے لگا۔ اسی وقت اسے بھکشو مدھوسودن کا بتایا ہوا منتر یاد آیا اور دِل ہی دِل میں وہ اسے دوہرانے لگا۔ ذرا سی ہی دیر میں اس کی تھکن اور خوف دُور ہو گیا۔ اس نے سوچا "شاید میں بلاوجہ ہی ڈر گیا تھا۔ چیتا اتنے اُوپر چڑھ بھی نہیں سکتا لیکن گرمی سے گھبرا کر اور کھانے کی تلاش کرتے ہوئے چیتا کب کہاں مل جائے گا، کہا نہیں جا سکتا۔"

وہ اُوپر چڑھتا گیا۔ اچانک اسے اپنی بکری کے ممیانے کی آواز سُنائی دی۔ جیمت کو دیکھ کر بکری خوشی سے ممیانے لگی کہ اچانک ہی اس کی آواز میں ڈر شامل ہو گیا۔ جیمت نے پلٹ کر دیکھا تو رات کے اندھیرے میں چمکتی ہوئی دوہری ہری آنکھیں نظر آئیں۔ ایک سیاہ شکل بڑھی آ رہی تھی۔ وہ چیتا تھا۔

جیمت نے اپنی مضبوط لاٹھی اِدھر اُدھر گھمائی اور جانور کو ڈرانے کے لیے حلق سے عجیب عجیب آوازیں نکالیں۔

اس کے بعد جیمت کو پتہ نہیں چلا کہ کیا ہوا۔ شاید چیتا بکری کی طرف جھپٹا۔ فاصلے کا اندازہ شاید ٹھیک نہیں تھا۔ اس لیے وہ نیچے پتھروں پر گر پڑا۔ خوفزدہ بکری بھی چٹان

کے نیچے گر گئی۔ جیمُت گرتے ہوئے چیتے سے ٹکرا کر اس کے ساتھ ہی نیچے گر پڑا۔ چیتے کا جبڑا اور اس کا چہرا ایک دوسرے کے بالکل قریب تھے۔

چیتے کے سانس کی گرمی جیمُت کو اپنے گالوں پر لگی۔ وہ بڑبڑانے لگا "اوم منی، پدم اوم"۔ چیتا ایک بار درد سے اینٹھا اور پھر ڈھیر ہوگیا۔ چٹان سے اس کی پیٹھ بُری طرح زخمی ہوگئی تھی۔ جیمُت بھی تھک کر چُور ہوگیا تھا، وہ چیتے کے جسم سے ٹیک لگا کر سوگیا۔ بکری کو اس نے اپنی بانہوں میں لے رکھا تھا۔

آسمان کا رنگ کالے سے بُھورا ہونے لگا، تاریکی چھٹنے لگی۔ صُبح کے پرندے بولے اور جیمُت کی نیند کُھل گئی۔

بکری کی ایک ٹانگ ٹوٹ گئی تھی۔ جیمُت نے اسے اپنے کندھے پر اُٹھایا اور گھر کی طرف چل پڑا۔ گاؤں کی سرحد پر اس کی مُلاقات اپنے چچا اور گاؤں کے دوسرے لوگوں سے ہوئی۔ وہ اسے ہی ڈھونڈ رہے تھے۔ جیمُت نے بکری اپنے چچا کے حوالے کر دی۔

"کیا! میری سب سے اچھی بکری کا پیر توڑ لایا؟" کلھا چلّایا اور اپنی چھڑی اُٹھا کر جیمُت کی طرف بڑھا۔

گاؤں کے ایک بزرگ بیچ میں آگئے "مار و مت، اس کے ساتھ تم شروع ہی سے زیادتی کر رہے ہو۔ اب ہم لوگ اسے بھکشوؤں کے حوالے کر دیں گے۔" اور جیمُت کو انھوں نے مدھوسودن کے سُپرد کر دیا۔

"جب چیتا مجھ پر جھپٹا تو میں نے بھگوان بُدھ کا نام لیا اور انھوں نے میری حفاظت کی۔" جیمت نے بتایا۔

بوڑھے بھکشو مُسکرائے "ابھی تو تمھیں بہت کچھ سیکھنا ہے بیٹے مگر تم میں سیکھنے کی صلاحیت ہے۔" انھوں نے کہا ــــ اس دن سے جیمُت کی زندگی ہی بدل گئی۔ اب وہ بھکشوؤں کے ساتھ رہتا، ان کی خدمت کرتا اور مہاتما بُدھ کے فرمودات سُنتا تھا۔

مَتھرا کے کارخانے

مُسافر کی واپسی

دوسری صدی عیسوی کے وسط میں کُشن دورِ حکومت میں متھرا کا ایک روشن و چمکدار دِن تھا۔ کارخانوں میں کام اور بِکری تیزی سے ہو رہی تھی۔ سڑکیں تنگ تھیں اور ان میں بھیڑ بھی لگی ہوئی تھی۔ متھرا صدیوں پُرانا شہر تھا اور کُشن دورِ حکومت میں خوب پھل پھول رہا تھا۔

ایک چھوٹے سے کارخانے کے دروازے پر کھڑی کیتکی ڈُوبتے ہوئے سُورج کو دیکھ رہی تھی۔ اس کا کمرہ کارخانہ بھی تھا اور اس کی رہائش گاہ بھی۔ اس کا بُوڑھا سسر متھرا کا مشہور ریتیلا پتّھر ہاتھ میں لیے ہوئے تھا۔ اس کا شوہر دوسرے کارخانے سے واپس آنے والا تھا۔ وہ دوسرے سنگ تراشوں کے ساتھ لال، گُلابی اور چتکبرے پتّھروں سے چھوٹی بڑی مُورتیاں اور دوسرے مجسّمے تراشا کرتا تھا ــــ آخر اس کا شوہر آگیا اور اسے دروازے پر دیکھ کر غصّے سے بولا "اس نِکمّے کا تمھیں اب تک انتظار ہے اور کل صُبح اس کی واپسی کی دُعا کرنے کے لیے مندر بھی جاؤ گی۔"

"اس کی خوش حالی اور واپسی دونوں کے لیے دُعا کروں گی۔" کیتکی نے کہا "جیسے تمھارے لیے، تمھارے پِتا کے لیے اور دوسرے بچّوں کے لیے کرتی ہوں۔"

"دوسرے بچّے لایق ہیں، کام کرتے ہیں۔" شوہر نے کہا۔

کیتکی نے تھالی میں کھانا پروس کر اس کے سامنے رکھ دیا۔ ہلکی دھات اور مِٹّی کی کٹوریوں میں چاول، دہی اور کدّو کی بُھجیا وغیرہ رکھی تھیں۔

"بچّے لایق تو ہیں۔" سسر نے گردن ہلا کر کہا "لیکن مارچی کی بات اور ہی ہے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ جب وہ نو سال کا تھا تو اس نے بندر کا ایک ڈھانچہ بنایا تھا۔ کیسی چمک تھی اس کی آنکھوں میں۔ سات سال کا ہی تھا تو میری سیاحت و سفر کے بارے میں

طرح طرح کے سوال پوچھتا تھا۔ پوچھتا تھا، سنگ تراشوں کے ساتھ میں کہاں جاتا ہوں، کیا کرتا ہوں!"

"اب دیکھونا، اس کی آنکھوں کی چمک کہاں لے گئی۔ مالی کی لڑکی سے گفتگو کرتا تو اس کی باتیں ہی نہ ختم ہوتیں اور جب میں نے سزا دی تو گھوڑوں کے اُس تاجر کے ساتھ بھاگ گیا۔ اسے گھر سے گئے بارہ سال ہو گئے ہیں، نہ جانے کہاں ہوگا اب؟" مرد نے تیز لہجے میں کہا۔

رات ہوگئی تو کمرے میں اندھیرا چھا گیا۔ اس زمانے میں جلانے کے تیل کی کمی رہتی تھی۔

دوسرے دن کیتکی پڑوسن کی دُبلی پتلی لڑکی کو ساتھ لے کر مندر گئی جو دوسری طرف تھا۔ کیتکی نے اپنے بیٹے کی واپسی پر اس کا بیاہ اسی لڑکی سے کرنے کے لیے سوچ رکھا تھا اور اب بھی وہ اپنی بات پر قایم تھی۔

اس وقت شہر کی طرف ایک کارواں آتا دکھائی دیا۔ مُسافروں میں سے ایک آدمی بڑا بے قرار ہو کر آگے بڑھ آیا تھا۔ یقیناً اتنے بڑے بڑے نیم اور کدم کے پیڑ اور اتنے بہت سے توتے متھرا کے علاوہ اور کہیں نہیں ہو سکتے تھے۔

تبھی اس نے اپنی ماں کو دیکھا۔ اب بھی وہ ویسی سادہ اور سیدھی تھی جیسی وہ چھوڑ کر گیا تھا۔ اسی وقت اس کی ماں بھی اسے مُڑ کر دیکھنے لگی۔

"تم نے مجھے پہچان لیا؟" آدمی نے پوچھا۔

"تم سمجھ رہے تھے کہ نہیں پہچانوں گی۔" ماں بولی "چلو جلدی سے گھر چلو۔"

"اور اگر پتاجی گھر سے نکال دیں؟" مارچی نے پوچھا۔

"ظاہری طور پر غصّہ ہو سکتے ہیں لیکن میں جانتی ہوں کہ دِل ہی دِل میں تمھاری واپسی کی دُعا کرتے رہتے ہیں۔"

یہ کہہ کر وہ لڑکی سے مخاطب ہوئی ــــ "گھر جاؤ بیٹی! میں جلد ہی تمھیں بہو بنا کر لے آؤں گی۔"

جھونپڑی کے پاس والے کنُویں پر دونوں نے ہاتھ مُنہ دھویا۔

مارچی کے گھر میں قدم رکھتے ہی اس کے باپ کا چہرہ چمک اُٹھا مگر اس نے تیز لہجے میں کہا "تو آخر تم واپس آ ہی گئے۔"

کیتنکی نے جلد ہی کھانا تیّار کیا جسے ان لوگوں نے خاموشی کے ساتھ کھایا۔ شام کے کھانے کے بعد باپ نے پوچھا "اب تمھارا کیا ارادہ ہے؟ تم نے اپنے دوست سے کون سا ہُنر سیکھا ہے؟ گھوڑوں کے تاجر تو جُھوٹے اور چور ہوتے ہیں۔"

مارچی نے کہا "ساکا قوم کے لوگوں کو راجا اور امیر سائیس یا پہریدار رکھنا اچھا سمجھتے ہیں۔ متھرا کے سنگ تراش ساکا سپاہیوں کے مجسّمے بناتے ہیں۔ چوڑا چہرا، بھاری لمبی تلواریں، عُمدہ پوشاک

وغیرہ اور ویسے بھی ساکا کبھی ہمارے حاکم رہے ہیں، جیسے کہ اب کُشن خاندان ہے۔"

"جب تک انھوں نے حکومت کی تو ہم پر بھاری ٹیکس لگائے، ہمیں اپنا شکار سمجھا مگر ہمیں اس سے کیا کہ کون حکومت کرتا ہے! اور متھرا کے ایک سنگ تراش کو کیا ضرورت ہے کہ وہ گھوڑوں کے ایک سوداگر سے تعلقات رکھے۔

"گھوڑوں کا ایک ساکا سوداگر سفر کا بہترین ساتھی ہے۔ اس کے تیز طرار گھوڑوں اور بہادر سائیسوں کے ڈر سے کوئی اس پر حملہ نہیں کرتا۔ نہ جانے کتنی زبانیں وہ بول سکتا ہے، نہ جانے کتنے لوگوں کو وہ جانتا ہے۔ میں نے تاجروں کے ساتھ بھی سفر کیا ہے۔ وہ گروہ بنا کر سفر کرتے ہیں، ان کے کارواں کا ایک سردار ہوتا ہے۔ حفاظت کے لیے مسلّح سپاہیوں کو یہ مُلازم رکھتے ہیں۔ مختلف مُلکوں کی کہانیاں کہتے ہیں، وہاں کی

مُسافر کی کہانی

ایک شام کھانا کھانے کے بعد بوڑھے دادا نے کہا " اب ہم بیٹھیں گے اور میرا پوتا اپنے سفروں کی داستانیں سُنائے گا۔"

مارچی نے کہنا شروع کیا: " اب چونکہ سڑکیں محفوظ ہیں اس لیے تاجر ہی نہیں، سادھو اور طالب علم بھی ایک مُلک سے دوسرے مُلک آتے جاتے ہیں، طُلبا عالم ہوتے ہیں۔ ایک یونیورسٹی میں سات سال پڑھنے کے بعد دوسری یونیورسٹی میں سات سال پڑھنے جاتے ہیں۔ گیروے لباس پہنے بھکشوؤں نے مجھے ان مُلکوں کے بارے میں بہت کچھ بتایا، جہاں جہاں میں گیا۔ ساکا، پلو، کُشن وغیرہ ایک کے بعد ایک کرکے ادھر ہی سے آئے ہیں۔"

" وہ کیوں آتے ہیں؟" دادا نے پوچھا۔

" برفیلے پہاڑوں کے پار کی زمین اتنی زرخیز نہیں جتنی ہماری ندیوں کی ترائی یا میدانوں کی ہے۔" مارچی نے بتایا " وہاں اونچے اونچے پہاڑ ہیں یا ریگستان یا پھر گھاس کے بڑے بڑے میدان جہاں صرف بھیڑوں کو غذا ملتی ہے۔ جب دُشمن حملہ کرتے ہیں یا بے حد ٹھنڈ پڑنے لگتی ہے تو ان میدانوں میں رہنے والے قبیلے وہاں چلے جاتے ہیں جہاں کی زمین زرخیز ہے اور بڑے بڑے شہر ہیں۔ ان قوموں کے لوگ میدانوں میں رہنے والوں سے زیادہ طاقتور ہوتے ہیں ــــ اور طاقت میں چاہے وہ ہمیں ہرا ہی دیں لیکن ہمارے علم وگیان کے لیے وہ ہماری عزّت کرتے ہیں۔ یُونانی، ساکا، پہلوی اور دوسرے لوگ پانچ دریاؤں کے مُلک سے ادھر آئے اور پھر مشرق و مغرب میں دُور دُور تک پہنچے۔ عظیم کُشنوں نے بھی دُور دُور کی سیاحت کی ہے۔ کُشن مہاراجہ کنشک کی سب سے خوب صورت مُورتی متھرا میں تراشی گئی تھی۔ مشرق (چین) میں تی سن کی

مصنوعات کے بارے میں بتاتے ہیں۔ شمال سے بھیڑ کے اُون سے بنا مُلایم گرم کپڑا آتا ہے۔ اُونٹ کے کارواں ریگستان طے کرکے تی سن (چین) سے 'تی سن پٹ' نامی کپڑا لاتے ہیں جو مغربی مُمالک کے لوگوں کو بہت پسند ہے۔ یُونانی اپنے مُلک سے شراب لاتے ہیں۔ یُونانی مرتبان ہمارے یہاں کے رؤسا بہت پسند کرتے ہیں لیکن یُونانی جتنا کچھ لاتے ہیں، اس سے زیادہ لے جاتے ہیں۔ رنگ برنگے کپڑے، موتی، عطریات، ہاتھی دانت کا سامان، خضاب، دَوائیں وغیرہ ــــ کاپیسا (شمالی کابُل) میں ہاتھی دانت کا ایسا کام دیکھا جو متھرا میں کیا گیا تھا۔"

دادا نے دخل دیتے ہوئے کہا " کیا سفر کے دوران ہماری مصنوعات بھی تمھاری نظر سے گزریں؟"

" بہت سی!" ماں کی طرف دیکھ کر مارچی پیار سے مُسکرایا اور پھر کہنے لگا " سب سے زیادہ تو متھرا کی بنی ہوئی مُورتیاں اثر انداز ہوتی ہیں۔ دریائے کابُل سے جمنا تک امن و شانتی ہے، اسی لیے حکومت، تجارت کی حکومت بن گئی ہے ــــ اور ہاں، کیا میری مشق کے لیے بندر کی کوئی ہڈّی یا پتھر کا کوئی ٹکڑا ہے؟"

" بندر کی ہڈّیاں سستی ہوتی ہیں ــــ پتھر کا ایک فالتو ٹکڑا ہے۔" باپ نے کہا۔

اندھیرا چاروں طرف پھیل گیا لیکن ماں بیٹا ستاروں کی چھاؤں میں پانی کے برتنوں کے پاس بیٹھے ساری رات باتیں کرتے رہے!

سرحد سے لے کر مغرب میں ایران تک کا انھوں نے سفر کیا، پھر وہ جنوب کی طرف مڑے۔ دریائے بلخ سے دریائے کابُل کی طرف اور پھر ایک پہاڑی درّے کو پار کرکے پانچ دریاؤں کے دیس سے ہوکر ہماری یمنا کے میدانوں میں آگئے۔ سنگ تراشوں نے ان کی مُورتیاں اور ان کے سکوّں میں ان کی تاریخ کھودی ہے۔ خانہ بدوش گھُڑسواروں کی طرح بھاری گدیوں والے جُوتے، ایرانیوں کی طرح بھاری لبادہ، ساکوں کی طرح نکیلی ٹوپی پہنے ہوئے راجاؤں کی مُورتیاں اور ان پر جو الفاظ کندہ ہیں، ان سے ان کے سفر وسیاحت کا پتہ چلتا ہے۔ سمراٹ کے لیے لفظ 'مہاراجہ' کا استعمال کیا گیا ہے۔ 'راج اُدھیراج' (راجاؤں کا راجا) کا استعمال بھی ملتا ہے جو کہ ایرانی خطاب ہے اور آخر میں اسے 'دیوپُتر' کہا گیا ہے۔ یہ خطاب یقیناً تی سن سے لیا گیا ہے۔ ان سب ہی خطابوں کا ذکر سنسکرت میں ہے کیوں کہ ساکا اور کُشن دونوں خاندانوں نے

سنسکرت کا استعمال کیا ہے۔ سنسکرت عالموں کی زبان ہے۔"

"ویدوں کی مقدس زبان۔" دادا بدبدائے "یہ زبان صرف برہمنوں اور پنڈتوں کو ہی آتی ہے۔"

مارچی بولتا گیا "اب اس کا استعمال راجا کے درباری اور شاعر بھی کرتے ہیں۔ راجا کے اعلانات اور حُکم سب سنسکرت میں ہیں۔ کنِشک بُدھ کے بہت بڑے معتقد ہیں۔ انھیں دوسرا اشوک کہا جاتا ہے۔ انھوں نے مٹھ بنوائے ہیں، بہت سے عالِم اور شاعر ان کے دربار میں ہیں۔ متھرا کے دستکاروں نے اتنی ترقی پہلے کبھی نہیں کی تھی۔ بُدھ اور

جین تیر تھنکروں کے مُورتیوں کی بڑی مانگ ہے۔ لوگ جتنی فرمایش کرتے ہیں، وہ پوری نہیں ہوسکتی۔ برہمن بھی دیوتاؤں کی مُورتیاں چاہتے ہیں۔"

"لیکن جس نے نروان حاصل کرلیا ہے اس کی مُورتی بنانا کوئی اچھا کام نہیں ہے۔ بُدھ کی زندگی کے حادثوں اور واقعات کی علامتیں ہی کافی ہیں۔" دادا نے کہا۔

"ایسا تھا داداجی!" مارچی نے کہا "لیکن عظیم سنت ناگ ارجن جو اب دکشنی پتھ میں رہنے کے لیے آگئے ہیں، کنِشک اور دوسرے لوگ پُوجا کے لیے بھگوان بُدھ کی مُورتی چاہتے ہیں۔ دُور دراز کے مُلکوں میں، میں جہاں جہاں گیا، تکشِلا، پُرش پور، قندھار غرض ہر جگہ بُدھ کی مُورتیاں دیکھیں۔ متھرا میں بھی ایک برہمن عالِم اشوگھوش نے سیدھا راستہ قبول کیا اور کنِشک کو بھی اس پر چلنے کا مشورہ دیا۔ اب بہت سے لوگ اس راستے کے ماننے والے ہیں۔ اس کے بعد مہاراجہ کنِشک نے کنِشک پور (کشمیر) میں ایک کاؤنسل بُلائی۔ مُلک کے ہر حصّے سے تقریباً پانچ سو بھکشوؤں نے اس میں شرکت کی۔ اشوگھوش نے ایک عالِم فاضل وشومتر کے ساتھ اس کی صدارت کی۔ بحث مباحثے کے بعد تعلیم کو آسان بنایا گیا۔ تام پتروں پر ان کی کھُدائی ہوئی اور ایک بڑے مینار کے نیچے انھیں دبا دیا گیا تاکہ ایک ہزار سال بعد بھی آدمی انھیں پڑھ سکے۔"

"لیکن عظیم فلسفیوں کے خیالات تانبے یا تام پتروں پر نہیں لکھے جاسکتے۔" دادا نے بیچ میں ٹوک دیا۔

"تب انھیں محفوظ کس طرح رکھا جاسکتا ہے؟" مارچی نے پوچھا۔

"یادداشت میں ـــــ ایک عالِم دوسرے کو یاد کراتا ہے، دوسرا تیسرے کو اور یہ سلسلہ چلتا رہتا ہے۔" دادا نے جواب دیا۔

"لیکن اس کی تشہیر تو دُور دُور تک نہیں ہوسکتی۔" مارچی نے جرح کی۔

"اب لوگ یہ جان گئے ہیں کہ تحریر دیرپا ہوتی ہے۔ اس سے جھگڑے بھی کم ہوتے ہیں۔ صداقت اور سچائی کے اظہار کے لیے تحریر سند ہوتی ہے۔"

"کیا پہلے جھگڑے بھی ہوتے تھے؟" دادا نے پوچھا۔

"بالکل ہوتے تھے۔" مارچی نے بتایا "اعتقاد کے دو رُوپ ہیں۔ جنوبی ہند کے بھکشو کہتے ہیں کہ بُدھ ایک عظیم مبلّغ تھے جنھوں نے نروان حاصل کیا تھا اور کوئی بھی ان کے بتائے ہوئے راستے پر چل کر موت اور زندگی کے چکّر سے نکل سکتا ہے ـــ لیکن شمال کے بھکشو کہتے ہیں کہ بُدھ بھگوان تھے اور ان کی پُوجا ہونی چاہیے۔ ان کا کہنا ہے کہ بُدھ نے پہلے بھی اس زمین پر اوتار لیے تھے اور آئندہ بھی لیتے رہیں گے جب تک کہ سب کو نروان حاصل نہیں ہوجاتا۔ اس لیے ہم ان سب اوتاروں، جنھیں بُدھ کے رُوپ کہا جاتا ہے، کی مُورتیاں بناتے ہیں۔ مہاراجہ کنِشک جو خود شمال کے ہیں، اس نظریے سے اتفاق رکھتے ہیں۔

"مہاراجہ کنِشک نے جو وِہار اپنی راجدھانی پُرش پور میں بنوایا ہے وہ قابلِ دید ہے۔" مارچی کہتا گیا "اس میں ایک چودہ منزلہ مینار ہے اور ایک زبردست آہنی کنگورہ ہے، اس کے چاروں طرف تانبے کی چھتریاں لگی ہیں جن پر سونے کا پانی چڑھا ہے اور کناروں پر بُدھ کی مُورتیاں بنی ہیں۔"

"ہم اس طرح نہیں بناتے۔" باپ نے کہا۔

"مہاراجہ کبھی کبھی یُونانی کاریگروں سے کام لیتے ہیں۔" مارچی نے کہا۔

"اس طرح کے وِہار وہی لوگ بناتے ہیں۔"

"اور اب ہمیں سو جانا چاہیے۔" کیتکی بولی "کل شام وہ ساری چیزیں تم ہمیں دکھانا جو اپنے ساتھ لائے ہو۔"

گھر بسانا

دوسری شام جب لوگ کھانا کھاکر بیٹھے تو مارچی نے وہ چیزیں دکھانی شروع کیں جو وہ اپنے ساتھ لایا تھا۔ سفید سیپیوں کا بنا ہوا ایک کنگن اور چمکدار دھات کا بنا ہوا عنبر سیٹ جو وہ اپنی ماں کے لیے لایا تھا۔ عجیب وغریب ڈیزائن کا ایک موٹا اُونی کمبل دادا کے لیے —— "یہ کشمیر کا ہے۔ وہاں کے پہاڑی بکروں کے بال لمبے ہوتے ہیں، ان ہی بالوں سے اُونی دھاگے بنتے ہیں اور پھر ان سے گرم کپڑے بنائے جاتے ہیں۔"

پھر مارچی نے سونے کا ایک سکّہ نکالا اور سب سانس روک کر اسے دیکھنے لگے۔

"یہ تمھیں کہاں ملا؟" باپ نے پوچھا "ہمارے یہاں تو تانبے کا سکّہ یا کوڑیاں چلتی ہیں۔

کبھی کبھی چاندی بھی چل سکتی ہے لیکن سونا؟ وہ تو ہمارے یہاں نہیں چلتا۔"

"میں نے ایک بار تاجروں کے ایک قافلے کو ڈاکوؤں سے بچایا تھا، تب ان کے سردار نے مجھے یہ انعام میں دیا تھا۔ دیکھیے پتاجی، اس میں ایک طرف گھڑسواروں کا لباس پہنے راجا ہے اور دوسری طرف بُدھ کی مُورتی بنی ہے۔ نام کسی انجانی تحریر میں کھدا ہوا ہے۔ بہت دُور مغرب میں اس تحریر کا رِواج ہے۔"

باپ سکّے کو الٹ پلٹ کر دیکھتا رہا "دستکاری کا کتنا عُمدہ نمونہ ہے۔" اس نے کہا۔

مارچی بولا "مجھے بتایا گیا تھا کہ سونے کے سکّے بہت دُور مغرب (رُوم) سے آتے ہیں، ان پر راجاؤں اور دیوتاؤں کی شبیہیں نقش ہوتی ہیں۔ ان سے تجارت ہوتی ہے۔ وہ لوگ مسالے، قیمتی پتھر، جڑی بُوٹیاں اور خوشبوئیں وغیرہ ہم سے لے جاتے ہیں۔ یہ سامان زمینی اور بحری

دونوں ہی راستوں سے جاتا ہے۔ ان چیزوں کے بدلے وہ سونے کے کھرے سِکّے دیتے ہیں۔ ہمارے یہاں ان سِکّوں کو گلا کر پھر سے نئے سکّے بنائے جاتے ہیں۔ ان پر نئی مہریں لگتی ہیں۔ اس کے بعد وہ بازار میں آتے ہیں۔"

اس کے بعد مارچی نے ہاتھی دانت کا ایک بڑا ٹکڑا اپنے باپ کو دکھایا۔ اس کے باپ نے حیرت سے کہا "کہاں سے ملا یہ تمھیں؟ یہ تو بہت قیمتی ہوتا ہے جس کا حصول ایک کاریگر کے لیے بھی آسان نہیں ہے۔"

"اگر کاریگر بڑھیا ہو تو بیوپاری اسے ہاتھی دانت بھی مہیا کرے گا اور کام کی مزدوری بھی بھرپور دے گا۔" مارچی نے کہا "ہاتھی دانت سے بنی چیزوں کی بڑی مانگ ہے اور دیکھیے اس پتّھر کے ٹکڑے سے میں نے کیا چیز بنائی ہے جو آپ نے یہاں آنے کے بعد مجھے دیا تھا۔"

پتّھر کے ایک ٹکڑے پر ایک لڑکی کی شبیہہ بنی ہوئی تھی۔ اس کے بال لمبے تھے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے وہ انھیں ابھی دھوکر آئی ہے۔ بالوں سے پانی کے قطرے گِرتے ہوئے معلوم ہو رہے تھے اور نیچے ایک ہنس اپنی گردن اُٹھائے ان قطروں کو پیتا ہوا نظر آرہا تھا۔

باپ کو خوشی ہوئی — "کتنے دِن متھرا میں ٹھہروگے؟" اس نے پوچھا۔

"کیا آپ چاہتے ہیں کہ میں یہاں ٹھہروں؟" لڑکے کا سوال تھا۔

"میں نے اس کے لیے لڑکی تلاش کرلی ہے۔" کیتکی نے بیچ میں کہا "وہ ہمارے پڑوسی کی لڑکی ہے جو تمھارے ساتھ ہی کارخانے میں سنگ تراشی کا کام کرتا ہے۔"

"اپنی ہی ذات کی لڑکی سے شادی، متھرا میں قیام اور ایسا ہُنر! ہمیں اور کیا چاہیے۔" باپ خوش ہوکر بولا۔

"سفر تو میں بہت کرچکا۔" مارچی نے کہا "میں سمجھتا ہوں کہ میں اب کافی دیر تک ایک جگہ ٹھیر سکوں گا تاوقتیکہ سیر و سفر کی خواہش پھر نہ جاگ اُٹھے لیکن میں جب بھی باہر جاؤں گا تو واپس ضرور آؤں گا۔"

سمُدر گپُت کی مُہم جُوئی

سمُدر گپُت اور سائیس کا بیٹا

۳۴۷ عیسوی کا زمانہ تھا۔ پاٹلی پُتر میں بڑی رونق اور جوش و خروش تھا۔ مہاراجہ سمُدر گپُت ایک نئی لڑائی پر جارہے تھے۔

عظیم موریہ خاندان کے بعد صدیوں سے جنگ کا سلسلہ جاری تھا، جب ۳۲۰ عیسوی میں ایک نئے چندر گپُت نے وہاں اپنی حکومت کی داغ بیل ڈالی تھی۔

چندر گپُت نے اپنا ولی عہد اور وارث سمُدر گپُت کو بنایا تھا۔ ۳۴۷ء تک سمُدر گپُت نے وادیِ گنگا کے سب ہی راجاؤں کو ہرادیا اور ہمالیہ سے دریائے نربدا تک، غرض سارے ہندوستان میں اپنی حکومت پھیلادی تھی۔ اب ایک بہت بڑی اور خطرناک لڑائی پر نربدا کے جنوب میں وندھیاچل کی پہاڑیوں اور جنگلوں میں جہاں آمد و رفت کے ذرایع مفقود تھے، جانا تھا۔

شاہی اصطبل میں قندھار سے آیا ہوا سمُدر گپُت کا من پسند گھوڑا راکشَس جو چھُونے سے ہی مالک کا حُکم سمجھ لیتا تھا، اس وقت بگڑا ہوا تھا۔ اسے بس دو شخص ہی قابو میں لاسکتے تھے۔ ایک تو سائیس وینو اور دوسرا اس کا نو سالہ بیٹا — وینو نے راکشَس کی دیکھ بھال شروع سے کی تھی اور اس کا بیٹا جب سے گھُٹنوں کے بَل چلنے لگا تھا، اصطبل میں ہی پرورش ہوا تھا۔ وینو تیز بُخار میں پڑا ہوا تھا اور راکشَس دوسرے سائیسوں کو دولتیاں جھاڑ رہا تھا۔

"وینو کا بیٹا اشودت کہاں ہے؟" ایک سائیس نے پوچھا۔

"اس کی ماں نے اسے بند کر رکھا ہوگا کہ کہیں وہ فوج کے ساتھ نہ بھاگ جائے۔"

بوڑھے ہیڈ سائیس سورن نے سوچا اور وینو کی جھونپڑی کی طرف چل پڑا۔

وینو کی بیوی اور ماں وہاں موجود تھیں۔

" اشودت کہاں ہے؟" سورن نے پوچھا۔

" وہ یہاں نہیں ہے۔" دونوں ایک ساتھ بولیں۔

" اشودت سے کہہ دینا کہ راکشس کے لڑائی پر جانے سے پہلے آکر رُخصت ہولے۔"

وینو کی ماں پھوٹ پڑی " تم چاہتے ہو کہ وندھیا چل کے جنگلی چیتے اسے کھا جائیں۔"

" وینو کا بیٹا مجھے اتنا ہی پیارا ہے جتنا اپنا بیٹا۔" سورن نے کہا اور باہر چلا گیا۔

اس کے جاتے ہی عورتوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

" کل مہاراجہ چلے جائیں گے تو پھر شام تک ہم اشودت کو چھوڑ دیں گے۔"

اسی شام مہاراجہ کو پتہ چلا کہ میدان جنگ راکشس ان کے ساتھ نہیں جاسکے گا۔ سمدرگپت اصطبل تک آئے۔ راکشس ان سے ملنے کے لیے آگے بڑھا۔ سائیس لپکے اور وہ پھر بگڑ گیا۔

" ایسے کام نہیں چلے گا۔" مہاراجہ نے کہا " اس کے لیے کسی کا انتظام کرنا ہی ہوگا۔"

اسی وقت ایک بچّے کی تیز آواز سُنائی دی " اس کی دیکھ بھال میں کروں گا۔"

اور پھر ایک گندہ پھٹے حال چھوٹا بچّہ سامنے آگیا۔ گھوڑا ہنہنا کر اس کی طرف بھاگا۔ بچّے نے نڈر ہوکر اسے تھپ تھپایا۔ دونوں کھڑے رہے۔

" تم کون ہو؟" مہاراجہ نے پوچھا۔

”وینو کا بیٹا ہے مہاراج!“ سورن نے جواب دیا۔
”میری دادی نے مجھے بند کر دیا تھا لیکن اگر مہاراج کا گھوڑا مجھے چاہتا ہے تو مہاراج کے ساتھ جانے کا حق مجھے ہی ہے ـــ اسی لیے جھونپڑی میں ایک سُوراخ بنا کر بھاگ آیا ہوں جہاں میری دادی نے مجھے بند کر دیا تھا۔“
”ہمیں تمھاری ضرورت تو ہے!“ مہاراجہ نے کہا ”لیکن تمھاری دادی اور ماں کی مرضی ضروری ہے۔ ان سے جلدی ہی پوچھ لینا چاہیے۔“
سورن انھیں لینے چلا گیا۔ وہ آ گئیں تو سمُدر گپُت نے پوچھا:
”بچّے کو اپنے راجا کے ساتھ جانے کی تم نے اجازت کیوں نہیں دی؟“
دادی نے بہادری سے کہا ”مہاراج! اشودت ابھی صرف نو سال کا ہے اور وہ آپ کے ساتھ جانا چاہتا ہے لیکن جس طرح آپ اپنی ماں مہارانی کمُار دیوی کا احترام کرتے ہیں، اسی طرح اس بچّے کو بھی اپنی دادی کا کہنا ماننا چاہیے۔“
مشہور و معروف لِچھوی خاندان کی بیٹی کمُار دیوی کی شادی سمُدر گپُت کے باپ چندر گپُت سے ہوئی تھی اور اس طرح مگدھ پر ان کا قبضہ ہو سکا تھا۔ مہاراجہ اپنی ماں کا بڑا احترام کرتے تھے ـــ بولے ”آپ ہمیں اپنے بچّے کو ساتھ لے جانے کی اجازت دیجیے، سورن اس کی دیکھ بھال رکھے گا۔“
”کیا آپ قسم کھاتے ہیں کہ میرے بچّے کو زندہ سلامت اور صحت مند واپس لائیں گے۔“ دادی نے تیز لہجے میں پوچھا۔
”میں اپنے بچّے کی طرح اس کی دیکھ بھال کرتا رہوں گا“ ـــ سورن نے یقین دِلایا۔
صُبح کے سفر کے لیے اشودت کو فوراً تیّار کیا گیا۔ اشودت اتنا خوش تھا کہ اَلوَداع کہنا بھی بھُول بیٹھا۔

مُہم

اس طرح اشودت سمُدر گپُت کی فوج کے ساتھ وسطی اور جنوبی ہندوستان کی طرف چل پڑا۔ سورن اپنا وعدہ نباہ رہا تھا۔ وہ اشودت کی دیکھ بھال رکھتا تھا۔ اشودت کا کھانا مہاراجہ کے مَطبخ سے آتا تھا۔ نربدا دریا کے جنوب میں جنگل گھنے ہوتے جا رہے تھے اور زمین اُونچی نیچی ـــ فوج کو مِلنے والا کھانا بدل گیا تھا۔ اب کھانے کو ملتا تھا: باجرہ، جنگلی پھل اور شکار کیے ہوئے خرگوش، تیتر، بٹیر اور مور وغیرہ۔
مہاراجہ اکثر صُبح کو پُوجا کے لیے اکیلے چلے جایا کرتے تھے۔ اس وقت ان کے سارے ہتھیار ایک طرف رکھے رہتے تھے۔ اِملی، کچّے آم اور دوسرے جنگلی پھلوں کی تلاش میں اشودت بھی اسی وقت باہر جاتا تھا۔
ایک روز صُبح مہاراج مشرق کی طرف مُنھ کر کے جیسے ہی کھڑے ہوئے، ایک دھاری دار جانور کی جھلک نظر آئی۔ وہ جانور ان پر جھپٹنے ہی والا تھا کہ کسی نے تیر کمان ان کے ہاتھ میں پکڑا دیا۔ وہ اشودت تھا۔ آم کے درخت پر سے اس نے چیتے کو دیکھ لیا تھا۔
مہاراجہ کا چلایا ہوا تیر چیتے کے حلقوم میں لگا اور بُری طرح زخمی ہو کر چیتا زمین پر گر پڑا۔ نوکر چاکر دوڑے مگر ان سے پہلے ہی اشودت نے اپنا شکاری چھُرا پوری طاقت سے چیتے کے جسم میں اُتار دیا۔ چیتا ڈھیر ہو گیا۔
”ایک اچھا حملہ!“ مہاراجہ نے کہا تو سب حاضرین ایک زبان سے مہاراجہ کی پھُرتی اور نِشانے کی تعریف کرنے لگے لیکن سمُدر گپُت نے اشودت کی طرف اشارہ کر کے کہا ”تعریف کا مستحق میں نہیں، وہ چھوٹا بچّہ ہے۔“
اشودت جب واپس آیا، اس وقت تک سورن کا چہرہ خوف سے سیاہ پڑ چکا تھا۔

"کتنی بار کہا ہے کہ جنگل میں اکیلے مت جایا کرو۔" اس نے تنبیہ کی۔

"لیکن مہاراجہ کی مدد کے لیے کیا میرا وہاں رہنا ٹھیک نہیں تھا؟" اشودت نے کہا اور سورن کے گلے سے لگ گیا اور سینکڑوں بار کیے ہوئے اس وعدے کو پھر دوہرایا کہ وہ جنگل میں اکیلا نہیں جائے گا اور آیندہ ہمیشہ کہنا مانے گا۔

وسطی ہند کے گھنے جنگلوں میں وہ آگے بڑھتے گئے۔ جنگل باسیوں کے لڑائی اور جنگ کے اپنے طریقے ہوتے ہیں۔ دِن ہو یا رات، گھنی اور اُلجھی ہوئی جھاڑیوں کے بیچ میں سے کسی بھی وقت زہر میں بُجھے تیر آدمی کو آکر لگ سکتے تھے۔ ان کے علاوہ جنگلی جانوروں اور سانپوں وغیرہ کا ڈر الگ لگا رہتا تھا۔
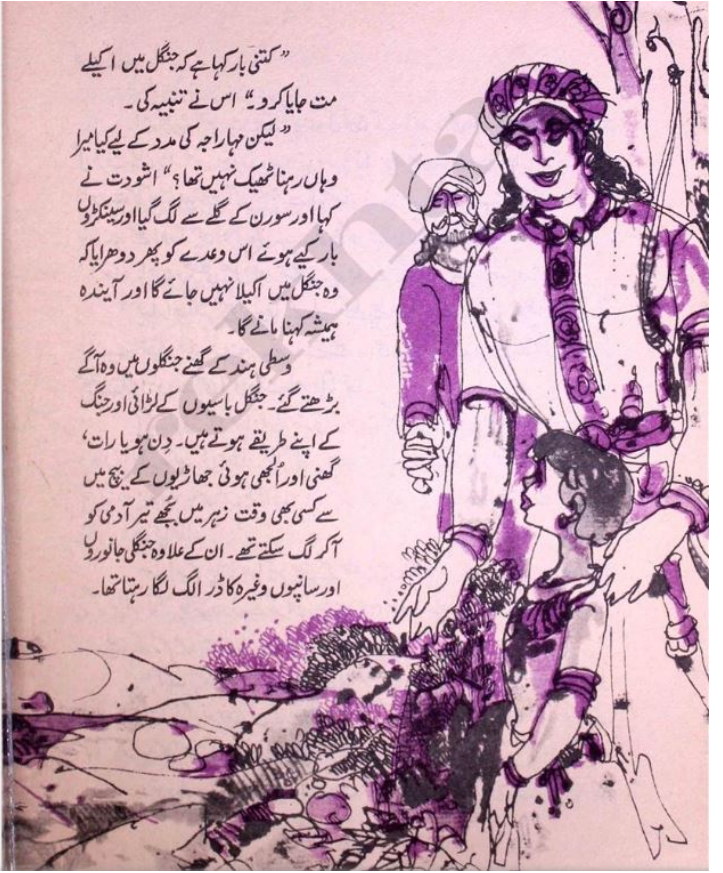
لیکن سمُدر گپُت کی فوج آگے بڑھتی گئی۔ ایک کے بعد دوسرے قبیلے کے سردار ہتھیار ڈالتے گئے۔ دھیرے دھیرے مہاندی، گوداوری اور دریائے کرشنا کی وادیوں یعنی سارے وسطی ہندوستان کے راجاؤں نے سمُدر گپُت کا باج گزار بننا قبول کرلیا۔

یہ شیر دِل راجہ ویاگھ راج کی مملکت تھی کہ گھنی جھاڑیوں میں سے ایک زہریلا تیر آکر سورن کے لگا اور وہ مرگیا۔

اشودت کا کھانا پینا چھوٹ گیا۔ اسے رات رات بھر نیند نہ آتی۔ اگر کبھی آنکھ لگ جاتی تو بُرے بُرے خواب ستاتے۔ وہ اتنا دُبلا اور کمزور ہوگیا کہ مہاراجہ سے بھی یہ بات چھُپی نہ رہی۔

"دُکھی مت ہو۔" انھوں نے کہا "اگر تم بیمار پڑگئے تو راکَشس کی دیکھ بھال کون کرے گا۔ اب سے تم میرے برابر والے باہری کمرے میں سویا کروگے۔"

اس رات اشودت کو ڈراؤنے خواب دکھائی نہیں دیے اور اس کے بعد دوسری راتوں میں بھی وہ بے فکری سے سویا۔ مہاراجہ کا چلتا پھرتا محل ٹہنیوں اور سرکنڈوں کا بنا ہوا تھا ـــــ کیوں کہ اشودت باہری کمرے میں سوتا تھا اس لیے اندر کے کمرے کی موسیقی کی آواز اس کے کانوں تک بھی پہنچ جاتی تھی۔ اس وقت بھی مہاراجہ کے کمرے سے

سنگیت کی آواز آرہی تھی۔ اشودت
رینگ کر ٹہنیوں سے بنی دیوار کے پاس
جا پہنچا اور کان لگا کر سننے لگا۔ اچانک
ایک بھالے کی نوک چُبھی اور ایک
غرّاتی ہوئی آواز سنائی دی "چوہا! چوہا!
یہ یہاں کیسے آیا؟"

اشودت ڈر گیا مگر پھر بھی
ہمّت کر کے بولا "میں اشودت ہوں،
مہاراجہ کے گھوڑے کا سائیس۔ یہاں
میں صرف سنگیت سُن رہا تھا۔"

"شاہی سنگیت سُننے کی تمھاری
ہمّت کیسے پڑی۔ مہاراجہ کے دربار میں
تاک جھانک کی سزا موت ہے، جانتے ہو۔"

تب ہی ایک دوسری آواز
سُنائی دی "ہمارے مہاراجہ سنگیت
کاروں کے بھی بادشاہ ہیں۔ اگر ان
کے سنگیت سے مسحور ہو کر یہ بچّہ یہاں
چلا آیا تو حیرت کی کوئی بات نہیں۔"

اشودت نے مہاراج کے
جگری دوست پنڈت ہری سین کی آواز
پہچان لی۔ وہ اندر چلے گئے، انھیں

مہاراجہ نے بُلایا تھا۔ انھوں نے مہاراجہ کو اشودت کے بارے میں بتایا اور پھر اسے بھی اندر لے گئے۔

دراز قامت بارُعب مہاراجہ اس وقت ڈھیلے ڈھالے سُوتی کپڑوں میں ملبوس پُشت والی ایک اونچی کُرسی پر بیٹھے تھے اور وینا ان کے ہاتھ میں تھی۔ وہ مُسکرائے "میرے کمرے کے باہر ہی اشودت کے لیے چوکی بنا دی جائے تاکہ ہر رات وینا کی جھنکار سُن کر وہ سو جایا کرے۔" انھوں نے حکم دیا "سنگیت ڈراؤنے خوابوں کو بھگا دے گا۔"

اس روز سے اشودت مہاراجہ کی خواب گاہ کے باہر ہی سونے لگا۔ اب اشودت نے ان لوگوں کو دیکھا جو مہاراجہ کے رتن تھے۔ وہ فن اور علم کی دُنیا تھی۔ عظیم جنگجو سُورما ہونے کے ساتھ ساتھ مہاراجہ سمُدر گُپت ایک شاعر، سنگیت کار اور عالم بھی تھے۔ ان کے دوست ہری سین ان کے گُرو کی طرح تھے۔ عالم فاضل پنڈت ہری سین کا کہنا تھا کہ 'مہاراجہ شاعروں اور سنگیت کاروں کے بادشاہ تھے'۔

وہ پھر شہروں کی طرف بڑھنے لگے۔ ان کی اپنی بھی ایک شہری تہذیب تھی۔ مشرقی سڑک سے یہ لوگ جنوب کی طرف جا رہے تھے۔ اشودت نے پہلی بار وسیع سمندر دیکھا۔

راکشَس کے علاوہ ایک اور شاندار گھوڑا ان کے ساتھ آیا تھا لیکن اس کی سواری کوئی نہیں کرتا تھا۔ یہ گھوڑا اشومیدھ والا گھوڑا تھا۔ جن جن حکومتوں میں سے یہ گھوڑا گزرا، ان سب نے سمُدر گُپت کی بالا دستی تسلیم کی اور چکرورتی مہاراجہ مانا۔ پاٹلی پُتر لوٹنے پر اس گھوڑے کی قربانی ہونی تھی۔ اشودت سے یہ گھوڑا بھی ہل گیا اور اشودت بھی اسے کبھی کبھی کچھ نہ کچھ کھلاتا پلاتا رہتا تھا۔

دریائے کرشنا اور دریائے گوداوری کا درمیانی علاقہ جہاں وینگی حکومت تھی، کو بھی انھوں نے طے کر لیا۔ علم و دانش کے مرکز قدیم کانچی میں ایک عظیم دربار منعقد کیا گیا۔ جنوب کے سب ہی راجاؤں نے ایک ساتھ مل کر مہاراج کا استقبال کیا۔ لنکا کے راجا میگھ ورن نے بھی جواہرات سے بھرا ایک صندوق تحفے میں بھیجا تھا۔

واپسی

آخر فوج کی واپسی شروع ہوئی اور وہ مغربی دکن اور مہاراشٹر سے ہو کر گزری۔ وطن چھوڑے ہوئے تین سال ہو گئے تھے۔ لڑائی ہو یا شکار مہاراجہ ہمیشہ سب سے آگے رہتے تھے۔ رات میں مذہبی گفتگو ہوتی، شاعری ہوتی اور موسیقی کی محفلیں جمتیں۔ خاص دربار لگتے جس میں دوسرے راجاؤں کو خلعت وغیرہ دیے جاتے۔

اشودت اب بالکل بدل گیا تھا۔ پہلے سے لمبا اور صحت مند ہو گیا تھا۔ شرارتیں ختم ہو کر بُردباری آ گئی تھی، جرأت مندانہ کارناموں سے بھرپور اب وہ گھر لوٹ رہا تھا۔

پاٹلی پُتر برہمنوں اور دوسرے لوگوں سے بھر گیا تھا جو گھوڑے کی قربانی دیکھنے آئے تھے۔ قربانی کی یہ رسم مہابھارت کے دھرم راج مہاراجہ یُدھشٹر کے وقت سے چلی آ رہی تھی۔

دورانِ مُہم اشودت کو قربانی کے گھوڑے سے بڑا لگاؤ ہو گیا تھا۔ آخری رات وہ چھُپ کر اسے الوداع کہنے کے لیے پہنچا۔ دوسرے دِن پھُولوں سے سجا گھوڑا قربان کر دیا گیا۔ اس خوشی میں سونے کے سِکّے تقسیم کیے گئے۔ اشودت کو بھی حصّہ ملا جو اس نے اپنے ماں باپ کو ہی ان کے حصّوں کے ساتھ دے دیا۔

اس رات اشودت اور اس کے ماں باپ نے سِکّوں کو غور سے دیکھا۔ اشودت نے ان پر کھُدے حرفوں کے بارے میں بتایا "ایسے عمدہ سکّے۔" اس نے کہا "پہلے کے راجاؤں نے بھی نہیں چلائے تھے۔ انھیں 'دِینار' کہتے ہیں۔ جو دِینار میں آج لایا ہوں، اسے دیکھیے۔ کل جس گھوڑے کی قربانی دی گئی تھی، اس کی تصویر اس پر بنی ہے۔"

"ذرا دیکھو۔" اس کی ماں نے سِکّے کو پلٹتے ہوئے کہا "اس طرف تو کسی عورت کی تصویر بنی ہے۔"

"وہ ہمارے مہاراجہ کی بیوی مہارانی دت دیوی ہیں۔" اشودت نے بتایا۔

”اور یہ لفظ جو کھدا ہوا ہے، وہ ’اشومیدھ‘ ہے۔ ہمارے مہاراج مہارانی کا کتنا خیال رکھتے ہیں کہ اپنے نام کے ساتھ ان کا نام بھی ملا رکھا ہے۔

”یہ سکّہ دیکھو ماں!“ اشودت نے کہا ”ہمارے مہاراجہ وینا لے کر بیٹھے ہیں۔ ایک ڈھیلی ڈھالی دھوتی پہن رکھی ہے لیکن ان کی پوشاک میں موتی لگے ہوتے ہیں۔ کانوں میں ہیرے ہوتے ہیں۔ ایک قیمتی زیور ان کے بازو پر رہتا ہے۔ سکّے کے دوسری طرف دیوی لکشمی کی تصویر کھدی ہے۔

”ایک دن لنکا کے راجہ میگھ ورن کے بودھ ایلچی قیمتی تحائف لے کر مہاراجہ کے پاس پاٹلی پتر آئے۔ لنکا کے بودھوں نے شکایت کی تھی کہ وہ جب ہندوستان آتے ہیں تو گیا کے بدھ وہار میں انھیں رہنے کے لیے جگہ نہیں ملتی۔ لنکا کے راجہ نے وہاں وہار بنوانے کی اجازت چاہی تھی۔ اجازت دے دی گئی۔ جگہ بھی چن لی گئی۔ جلد ہی ایک بڑا مٹھ تیار ہو گیا۔ مٹھ تین منزلہ تھا۔ اس میں چھ بڑے حصّے تھے اور ان میں تین مینار کھڑے تھے اور تیس چالیس فٹ بلند اس مٹھ کی چہار دیواری تھی۔ مٹھ کے اندر بھگوان بدھ کا سونے اور چاندی سے بنا ہوا ایک عظیم مجسّمہ تھا جس میں جگہ جگہ لنکا کے قیمتی جواہرات جڑے ہوئے تھے۔“

اشودت کی ماں کو یہ جان کر بہت حیرت ہوئی کہ خود مہاراج، مہارانی اور ولی عہد وشنو دھرم کے ماننے والے ہیں۔ پھر بھی بودھوں کے لیے اتنا کچھ کیا جا رہا ہے۔ اشودت نے بتایا کہ بودھ عالم ہوتے ہوئے بھی پنڈت وسوبندھو کا گپتا دربار میں بہت اہم مقام اور احترام ہے۔

”لیکن اپنے مہاراجہ کے عالم دوست تو پنڈت ہری سین ہیں اور وہ براہمن ہیں۔“ باپ وینو نے کہا۔

”ہری سین سنسکرت کے بہت بڑے عالم اور شاعر ہیں۔ پاٹلی پتر میں

سب ہی لوگ ان سے واقف ہیں۔“ اشودت نے کہا ”لیکن پنڈت وسوبندھو کو بدیش کے لوگ بھی جانتے ہیں۔ انھیں پرش پور، لنکا اور چین تک سے دعوت نامے آتے ہیں۔ ہمارے مہاراجہ ہمیشہ سے ہی دوسرے مذاہب کا احترام کرتے رہتے ہیں۔ مذہبی مبلغوں کی بھی بے حد عزّت کرتے ہیں اور انھیں خوب مراعات دیتے ہیں۔“

اشودت پر مہاراج کی نظرِ عنایت تھی۔ وہ سفروں میں ان کے ساتھ جاتا تھا۔ اپنے باپ کی زندگی میں ہی اشودت نے مہاراج کے ساتھ پریاگ (الٰہ آباد) تک کا سفر کیا تھا۔

مہاراجہ سمدر گپت بوڑھے ہو چلے تھے۔ ان کی کامیابی اور فتح کی کہانیاں

ابھی حال ہی میں پنڈت ہری سین نے لکھنی ختم کی تھیں۔ مہاراجہ کی تعریف میں لکھا یہ ایک شعری مجموعہ تھا جس کی زبان سنسکرت تھی۔ چمکائے ہوئے پتھروں کے ایک قدیم ستون پر اس کی کھدائی بھی ہوگئی تھی جو پانچ صدیوں سے کوسمبی میں کھڑا تھا۔

اشودت نے اپنے ماں باپ کو اس شاعری کا مطلب مختصراً سمجھایا ــــ جس میں مہاراجہ کی ایک عظیم جنگجو، شاعر اور سنگیت کار کی حیثیت سے تعریف کی گئی تھی اور بتایا گیا تھا کہ مشرق، شمال اور جنوب تک ان کے کارنامے پھیلے ہوئے ہیں۔

”واقعی اس روز سے آج تک تم نے کتنا کچھ سیکھ ڈالا جب کہ تم ہمیں روتا چھوڑ کر مہاراجہ کے ساتھ چلے گئے تھے“۔ اس کی ماں نے کہا ”دعا دو راکشس کو، جس کی وجہ سے تمھیں گھومنے کا موقع ملا۔“

قنوج کے مہاراجہ ہرش

نوجوان ہرش کا قنوج کا راجا بننا

وندھیہ کے گھنے جنگل میں تین لمبے قد کی جوان عورتیں ایک چتا کے سامنے بیٹھی ہوئی تھیں۔ وہ غم زدہ اور پیلی دکھائی دے رہی تھیں۔

جنگل میں رہنے والی سانولی عورتوں سے یہ عورتیں کچھ مختلف لگتی تھیں۔ خاص طور پر سب سے چھوٹی عورت تو کسی شاہی خاندان کی معلوم ہوتی تھی۔ وہ اپنے پیروں میں پڑی بیڑیوں کی طرف دیکھ رہی تھی۔ وہ راجکماری راج شری تھی۔ تھانیشور کے راجا کی بیٹی اور قنوج کے راجا کی بیوی، جو کچھ ہی دن پہلے تو بیوہ ہوگئی تھی ــــ صرف چھ مہینے پہلے ہی کی تو بات ہے کہ اس کی زندگی میں خوشیاں بکھری پڑی تھیں۔ قنوج کے جنوب اور دلّی کے شمال میں ایک چھوٹی سی حکومت تھانیشور کو اس کے باپ نے ایک اہم حکومت بنا دیا تھا جو جنگلی ہُنوں کے بھگانے میں معاون ہوا تھا۔ یہ ہُن مہاراجہ سکندگپت کے زمانے سے ہی مُلک میں لُوٹ کھسوٹ مچائے ہوئے تھے۔

راجا کے دو بیٹے تھے : راج وَردھن اور ہَرش۔ راجا نے اپنی پیاری بیٹی، جو اپنے بھائیوں ہی کی طرح اعلیٰ تعلیم یافتہ تھی، کی شادی قنوج کے راجا سے کر دی تھی۔ قنوج کا شمار اس زمانے میں آریہ وَرت کے بڑے شہروں میں ہوتا تھا۔

تبھی شمالی طرف سے ہُنوں کا حملہ ہوا۔ راجکمار راج وَردھن ایک فوج لے کر پہنچا۔ اس کے ساتھ چھوٹا بھائی ہَرش بھی تھا۔ ہَرش کی عُمر اس وقت پندرہ سال کی تھی۔ کم عُمر ہونے کی وجہ سے فوج کے ایک دستے کے ساتھ اسے ہمالیہ کی ترائی میں چھوڑ کر راجکمار راج آگے بڑھا۔ وہ علاقہ جنگلی جانوروں سے بھرا ہوا تھا۔ راجکمار ہَرش شکار کا مزہ لینے لگا۔

اچانک خبر ملی، مہاراجہ بسترِ مرگ پر ہیں۔ ہرش فوراً ہی باپ سے ملنے چل پڑا۔ بھاگتے ہوئے ہُنوں کے تیروں سے زخمی راج وَردھن کو بھی یہ خبر ملی اور باپ سے ملنے کے لیے وہ بھی روانہ ہو گیا لیکن پریشانیوں کا سلسلہ ایک کے بعد ایک چل رہا تھا۔ مغربی مالوے کے راجا نے تھانیشور کی صورت حال سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے قنوج پر حملہ کر کے راجا کو مار ڈالا اور راجکماری راج شری کو زندان میں ڈال دیا۔

راجکمار راج وَردھن تیز روی کے ساتھ قنوج پہنچا اور مالوے کے راجا کو شکست دی۔ اپنے بھائی کی آمد سے ناواقف راج شری ایک معزز گُپتا کی مدد سے قید خانے سے بھاگ نکلی اور وِندھیا کے جنگل میں ایک بھکشو کی رہبری میں ایک بُدھ خانقاہ تک پہنچ گئی۔

لیکن وَردھنوں کی مُصیبتیں ابھی ختم نہیں ہوئی تھیں۔ فاتح راجکمار راج کو گودا (مغربی بنگال) کے بظاہر ایک دوست راجا سائنکا نے بُلایا، جو دراصل مالوے کے راجا کا حلیف تھا۔ راجکمار تنہا ہی اس سے مُلاقات کرنے کے لیے گیا اور بے دردی سے قتل کر دیا گیا۔

تو گویا اب ساری ذمّے داری ہرش پر ہی آ گئی تھی۔ بھائی کا بدلہ لینے اور بہن کو چُھڑانے کے لیے وہ فوراً ہی چل پڑا۔

راجکماری اس زمانے میں بہت پریشان تھی۔ باپ، بھائی اور شوہر کی موت کے بعد وہ خود کو بالکل غیر محفوظ سمجھنے لگی تھی۔ اس نے چِتا کے لیے لکڑیاں اکٹھی کیں تاکہ سَتی ہو جائے۔ "باپ، بھائی اور شوہر کے بعد اب میری حفاظت کون کرے گا۔" راج شری نے اپنی ساتھی عورتوں سے کہا "آخر میں کس کے لیے زندہ رہوں۔"

"ابھی تو تمھارا سب سے پیارا بھائی زندہ ہے ___ جنگل کے سرداروں نے وعدہ کیا ہے کہ وہ اسے ہمارے پاس لے آئیں گے۔"

"ابھی تو وہ بہت کم عُمر ہے! اور کتنی ذمّے داری آگئی ہے اس کے کندھوں پر۔"

دن گزرتے جارہے تھے اور کہیں سے مدد کی کوئی اُمّید نہیں تھی۔ آخر مایوس ہو کر راجکماری نے کہا "کل میں جان دے دوں گی۔ آؤ رات بھر ہم عبادت کریں۔ صُبح میں چِتا میں بیٹھ جاؤں گی اور آگ میرے سارے دُکھوں کا خاتمہ کر دے گی۔"

صُبح چِتا تیار ہو چکی تھی۔ راجکماری نے اس میں قدم رکھا۔ اس کی داسیوں نے بھی اس کے ساتھ جل مرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ جنگل کی عورتیں خاموش اور اُداس کھڑی تھیں لیکن راجکماری کی قسمت پلٹا کھا چکی تھی۔ رات دن کا سفر کر کے ہَرش ٹھیک وقت پر اپنی بہن کے پاس پہنچ گیا تھا۔ ایک ہی چھلانگ میں وہ چِتا پر پہنچا اور آگ کی لپٹوں میں سے اپنی بہن کو نکال لایا۔

"تم آگئے ہَرش!" بھائی کے گلے سے لپٹ کر راجکماری رو پڑی ___ "لیکن بدقسمتی نے تو ہمیں چاروں طرف سے گھیر رکھا ہے، ہم کیا کریں گے؟"

ہَرش نے بڑے اعتماد سے کہا "سب سے پہلے تو سُورج کا شکریہ ادا کرنا چاہیے جس کی ہمارے اجداد پُوجا کرتے تھے۔ سُورج ہمارے لیے نیا دِن اور نئی زندگی لے کر آتا ہے۔" ہَرش نے اپنے ایک ہمراہی نوجوان پنڈت کی طرف دیکھا جس نے سُورج کی تعریف میں ایک اشلوک پڑھ دیا۔

وہ واپس روانہ ہوئے۔ ہَرش نے تھانیشور اور قنوج کی حکومت اپنے امیروں اور وزیروں کے مشورے سے سنبھالی۔ کچھ لوگ اگرچہ ہَرش کی کم عمری کی وجہ سے مُتذبذب تھے لیکن بُوڑھے اور تجربے کار سیناپتی سمہانند نے اسی کے انتخاب پر زور دیا اور اس طرح ۶۰۶ عیسوی میں ایک نیا دور شروع ہوا ___ ہَرش کا دور!

قنوج کے شاندار دِن

۳۵ برس بعد راجا ہَرش، ان کی بہن اور پنڈت پھر سے قنوج کے شاہی محل میں تھے۔ قنوج کی حفاظت کا پورا پورا بندوبست تھا۔ مغربی سرحد دریائے گنگا کے ذریعے محفوظ تھی اور باقی تینوں سرحدوں میں گہری کھائیاں کُھدی ہوئی تھیں اور اونچے اونچے مینار بنے ہوئے تھے۔ دِن میں سڑکوں پر چھڑکاؤ ہوتا تھا۔ رات میں روشنی کے لیے دیے جلائے جاتے تھے۔ خوب صورت مندر تھے، بودھ وِہار تھے۔ مکان اینٹوں اور لکڑیوں سے بنے تھے اور ان پر نقش و نگار کھودے گئے تھے۔

نوجوان راجکمار اب آریہ ورت کے حاکم تھے، انھوں نے مُلک میں امن و امان قایم کیا تھا۔ خوب صورت راجکماری اب ادھیڑ ہو چکی تھی۔ بھائی کے پاس بیٹھ کر اب وہ عالموں اور فاضلوں کے اُپدیش اور فرمودات سُنتی اور بحث مباحثوں میں حصّہ لیتی تھی۔ نوجوان پنڈت اب اپنا بھاری بھرکم جسم لیے جلسوں اور محفلوں کے انتظام میں لگا رہتا تھا۔ یہ مجلسیں الگ الگ طریقوں سے ہوتی تھیں۔ راجا ہمیشہ سے مذہبی تھا۔ پُوجا کے مختلف طریقے انھیں پسند تھے۔ بڑھتی ہوئی عُمر کے ساتھ بھائی اور بہن دونوں ہی کا رُحجان بدھ دھرم کی طرف بڑھنے لگا تھا۔

ہَرش کا تحریر کردہ ایک ڈراما 'ناگانند' اسٹیج کیا جانے والا تھا۔ یہ ناٹک ایک قدیم بودھ کتھا کی بُنیاد پر لکھا گیا تھا۔ ناٹک کا انتظام کرنے میں پنڈت مشغول ہو گئے تھے۔ ایک شو دیکھنے کے بعد پنڈت کا بیٹا پُنڈریک اس کے بارے میں اپنے دوستوں، وَسوبھُوتی اور آیام سے بات چیت کرنے لگا۔ پُنڈریک نے کہا "ہمارے مہاراجہ اشوک، سمُدر گُپت اور چندر گُپت وِکرمادیتہ سے کم نہیں ہیں۔ اپنے ناٹک 'ناگانند' میں انھوں نے راجا جیمُت واہن کی کردار نگاری جس طرح کی ہے، اس کے لیے میرے پتاجی کا کہنا ہے کہ یہ خود ان ہی کی زندگی

کا نقشہ ہے — ایک راجا جو امن کا پُجاری ہے اور عوام کی بھلائی کے لیے اپنی ہر ممکن قربانی دے سکتا ہے۔"

"لیکن پُنڈو!" آیام نے کہا "تم کہتے ہو کہ ہمارے ہَرش اشوک کی طرح ہیں، جنھوں نے امن کے لیے جنگ لڑنا ختم کر دیا تھا اور سُورما راجا سمُدر گُپت کی طرح ہیں جس نے نہ صرف شمال میں بلکہ جنوبی بھارت میں بھی فتح پائی تھی۔"

"اور راجا کی فوج میں پہلے ۵ ہزار ہاتھی، ۲۰ ہزار گھُڑسوار اور ۵۰ ہزار پیدل تھے۔ اب ۶۰ ہزار ہاتھی اور ایک لاکھ گھُڑسوار فوج ہے۔" وَسوبھُوتی نے کہا۔

"لڑائیاں تو بہت ہوئیں" پُنڈو نے کہا "کیوں کہ امن قایم کرنے کے لیے وہ ضروری تھیں۔ چاروں طرف ہنگامے اور بدنظمی پھیلی ہوئی تھی، اس کا ختم کرنا راجا کے لیے بہت ضروری تھا۔ ہُنوں نے گُپت خاندان کو ختم کر دیا تھا۔ غرض پورے آریہ وَرت میں کوئی بھی طاقتور حکمراں نہیں تھا۔" پُنڈو نے تفصیل بتائی۔

"چھ برس تک سپاہیوں نے اپنے ہتھیار نہیں رکھے، تب کہیں جاکر بھارت ایک چھتری کے نیچے آسکا۔ اب گنگا کے پورے میدان میں، نیپال اور ہمالیہ سے لے کر نربدا تک راجا ہرش ہی کی حکومت ہے۔ دُور دُور تک کے راجا، مہاراجہ ہَرش کے احکامات

کی تعمیل کرتے ہیں۔ مشرق میں کامروپ کے راجا ہرش جی کے گہرے دوست ہیں۔ مغرب میں ولبھی کے راجا ان کے داماد ہیں۔"

پربھاکر پنڈت نے لڑکوں کی بات سُنی تو بولے "ہمارے مہاراجہ ہرش ہمیشہ ہی عوام کی بھلائی میں مصروف رہتے ہیں۔ دیش کے کونے کونے سے مہاراجہ کے پاس پیغام اور خبریں آتی ہیں اور اس طرح وہ دیش کے حالات سے باخبر رہتے ہیں۔ مہاراجہ اپنے درباریوں کے ساتھ بیٹھ کر آنے والی خبروں کو سُنتے ہیں اور اہم پیغاموں کے تحریری جوابات بھجوائے جاتے ہیں۔ پیغام رسانی کا ایک الگ شُعبہ ہے۔ مہاراجہ کے پیغامات ان کے اُونٹنی سوار لے کر جاتے ہیں۔

"اپنے عہدیداروں کے کاموں پر وہ خود ہی نظر رکھتے ہیں۔ انھیں معلوم ہے کہ ان کے عہدیدار عوام کے ساتھ کیسا برتاؤ کرتے ہیں۔ ٹہنیوں اور سرکنڈوں کے بنے ہوئے اپنے چلتے پھرتے محل میں بھی مہاراجہ اپنا وہی روزمرّہ قایم کرتے ہیں جو قنوج کے شاندار شاہی محل میں ہوتا ہے، ورنہ ان کے مقررہ کام کبھی پورے نہیں ہو سکتے۔

"دن کا ایک حصّہ خیرات کے لیے مقرر ہے۔ راجا غریبوں، مذہبی لوگوں اور تعلیمی اداروں کو دان دیتے ہیں۔ یہ سب بڑے طریقے سے ہوتا ہے۔ محل کے طعام خانے سے بودھ بھکشوؤں اور پُجاریوں کو کھانا مِلتا ہے۔"

آیام نے دخل دیتے ہوئے کہا "راجا بُدھ دھرم میں دِل چسپی کیوں رکھتے ہیں؟ ان کے اجداد تو بُدھ دھرم کو نہیں مانتے تھے۔"

"ہمارے راجا کے آبا و اجداد کئی دیوتاؤں کی پُوجا کرتے تھے۔" پنڈت پربھاکر نے بتایا "دیگر دیوتاؤں کے علاوہ شیو کی پُوجا بھی انھوں نے کی تھی۔ راجہ کے باپ پربھاکر وردھن آدینہ (سُورج) کی پُوجا کرتے تھے۔ روز ایک ٹوکری میں لال کمل کے پھُول اور لعل جواہر رکھ کر سُورج کو چڑھاوا دیا جاتا تھا۔ مہاراجہ نے شیو کے مندر

بنوائے ہیں۔ سُورج اور بُدھ مندر بھی بڑے اہتمام سے بنے ہیں۔ نالندہ کے مشہور و معروف بُدھ دانش کدہ کے وہ نگراں ہیں۔ ہر پانچویں سال ایک زبردست اجتماع ہوتا ہے جس میں شریک ہونے کے لیے دُور دُور کے ملکوں سے لوگ آتے ہیں۔ بحث مباحثہ ہوتا ہے جہاں خیالات سے خیالات کا تبادلہ عمل میں آتا ہے۔"

"دان خیرات بھی خوب ہوتا ہے نا؟" وَسوبھُوتی نے پوچھا۔

"راجا کے ذاتی خزانے میں پانچ سالوں میں جتنی دولت جمع ہو جاتی ہے وہ سب بُدھ بھکشوؤں، برہمن پنڈتوں اور غریبوں میں تقسیم کر دی جاتی ہے۔" پنڈت نے کہا "راجا اپنے گہنے کپڑے غرض سب کچھ خیرات میں دے دیتے ہیں اور بہن سے ایک چادر مانگ کر اپنا جسم چھُپاتے ہیں۔ ان کے کپڑوں اور زیورات کو فروخت کرنے سے جو رُوپیہ آتا ہے، اس سے بھکشو عظیم کتابوں کے نسخے تیار کراتے ہیں۔"

"راجا اور کیا کرتے ہیں؟" وَسوبھوتی نے پوچھا۔

"دن کا کچھ وقت ادبی محفلوں میں گزارتے ہیں۔ شاعری کے مقابلے ہوتے ہیں جہاں کوی اپنا کلام سُناتے ہیں۔ راجا ہرش نے خود بھی ایک ناٹک اور گرامر کی کتاب لکھی ہے۔ راجا کے قریبی دوست بان بھٹ ایک مشہور قلم کار ہیں۔"

"پتاجی نے مجھے بان بھٹ کی تحریر کردہ ایک کتاب دی تھی۔" پُنڈو نے کہا "لیکن اس کی سنسکرت بہت مشکل ہے اور اسے بھوج پتر پر لکھا گیا ہے۔ بان بھٹ اب مہاراجہ ہرش کی زندگی پر بھی ایک کتاب لکھ رہے ہیں — 'ہرش چرت'!"

"ہمارے مہاراجہ کی زبان خوب صورت اور آسان ہے۔" وَسوبھُوتی نے کہا "ناگا نند مجھے بہت اچھا لگا ہے۔ اس میں بودھی ستو راجا، جیمُت واہن، وشنو کے پرندے 'گرودا' کے سامنے ناگوں کے بدلے میں خود کو پیش کرتے ہیں اور اس طرح ناگوں کی نسل ختم ہونے سے بچ جاتی ہے۔ دراصل اس ناٹک میں ہمارے مہاراجہ کا اندازِ بیان بہت دِل کش ہے۔"

" کاش مجھے نالندہ یونیورسٹی جانے کا موقع مل جائے۔" پُنڈریک نے کہا" اس کے مینار پہاڑ کی طرح کھڑے ہیں۔ لائبریری کی تین عمارتیں ہیں جہاں ہزاروں کی تعداد میں قلمی نسخے محفوظ ہیں۔"

" نالندہ تو میں بھی جانا چاہتا ہوں۔" وَسوبھُوتی بولا " مجھے وہ عظیم الشان پانی کی گھڑی دیکھنی ہے جس میں سارے شمال کے وقت دیے گئے ہیں۔"

" معلوم نہیں کہ ہم وہاں جا بھی سکیں گے یا نہیں۔" پُنڈریک نے کہا۔

" نالندہ جانے سے پہلے طالب علموں کو بہت کچھ لکھنا پڑھنا پڑتا ہے، کیوں کہ دربان ہی اتنے عالِم فاضل ہوتے ہیں کہ دروازے میں داخل ہونے والوں سے طرح طرح کے سوال پُوچھتے ہیں۔ دس میں سے دو یا تین طالب علموں کو ہی وہاں داخلہ مل پاتا ہے۔"

" لیکن وہاں پانچ ہزار طُلبا تو ہر وقت موجود رہتے ہیں۔" وسوبھُوتی نے بتایا۔

" وہ ہندوستان کے کونے کونے اور دُور دُور کے مُلکوں سے آئے ہوئے طالب علم ہیں۔ ان میں نہ صرف لنکا بلکہ جاوا اور سماترا تک کے طُلبا ہیں۔"

" اگر داخلہ مل بھی جائے تو بھی ایک آخری امتحان اور پاس کرنا پڑتا ہے وَسوبھُوتی!" آیام نے کہا " جو طالب علم اس امتحان میں کامیاب ہوتے ہیں، انھیں پھُولوں کے ہار پہنائے جاتے ہیں اور ہاتھی پر بٹھا کر پورے شہر میں گھمایا جاتا ہے، لیکن مجھے یقین ہے کہ جو ناکام ہوتے ہوں گے، ان کا مُنھ کالا کر کے گدھے کی دُم کی طرف رُخ کر کے انھیں بٹھا دیا جاتا ہوگا اور پھر انھیں بھی پورے شہر کا چکّر لگانا پڑتا ہوگا۔"

" تب تو بھائی پُنڈرو!" وَسوبھُوتی نے ڈرتے ہوئے کہا" ہمیں نالندہ جانے کا ارادہ چھوڑنا ہی پڑے گا۔"

پربھاسکر پنڈت جلدی میں تھے لیکن لڑکوں نے انھیں روک لیا اور کہا" اچاریہ جی! ہمیں نالندہ کے بارے میں بتائیے۔"

" ایک غیر مُلکی عالِم پہنچنے ہی والے ہیں، مجھے ان کا استقبال کرنا ہے۔" پنڈت جی نے کہا" وہ نالندہ بھی جا چکے ہیں اور دوسرے بہت سے علمی سفر انھوں نے کیے ہیں۔ ایک عالِم کی حیثیت سے ان کی شہرت دُور دُور تک پھیل گئی ہے۔ شیل بھدر نے دو سو بھکشوؤں کے جلوس کے ساتھ پھُول مالائیں پہنا کر ان کا استقبال کیا تھا اور بڑے اہتمام کے ساتھ ہیون سانگ کو نالندہ میں رہنے کے لیے بُلایا گیا تھا۔ جس شے کی بھی انھیں ضرورت ہوئی، وہ انھیں فوراً فراہم کی گئی تھی۔"

" تو انھوں نے نالندہ کیوں

چھوڑ دیا؟" پُنڈریک نے پوچھا۔

"شمالی اطراف کے راجا انھیں اپنے درباروں کی زینت بنانا چاہتے ہیں۔" پربھاکر پنڈت نے بتایا۔ "نالندہ آنے سے پہلے کشمیر کے حکمراں نے انھیں بے حد نوازا تھا۔ ان کے راستوں پر پُھول بچھائے گئے تھے۔ خوشبوؤں کا چھڑکاؤ کیا گیا تھا۔ کشمیر کے ایک وِہار میں دو برس تک رہ کر انھوں نے سنسکرت کا مُطالعہ کیا تھا۔ راجا نے ان کے لیے بیس نقل نویسوں کا انتظام کر دیا تھا تاکہ بودھ دھرم کی اہم کتابوں کی نقلیں تیّار کرا کے وہ انھیں اپنے ساتھ چین لے جا سکیں۔

وہ ایک وِہار سے دوسرے وِہار میں منتقل ہوئے اور پھر نالندہ میں آ کر رہے۔ کامروپ سے سمراٹ بھاسکر مذہبی اور فلسفیانہ موضوعات پر ان کے خیالات سُننا چاہتے تھے مگر انھوں نے بڑی نرمی سے منع کر دیا اور کہا 'نالندہ میں رہ کر میں اپنے مُطالعے و مشق میں کوئی رخنہ نہیں ڈالنا چاہتا' — بھاسکر بہت ناراض ہوئے۔ انھوں نے نالندہ کو جلا دینے کی دھمکی دی، اس پر ہیون سانگ ان کے دربار میں شامل ہو گئے مگر جب مہاراجہ ہَرش کو پتہ چلا کہ چینی عالم بھاسکر کے دربار میں زبردستی رکھا گیا ہے تو مہاراجہ نے انھیں واپس بُلا بھیجا — بھاسکر نے جواب دیا 'وہ اپنا سر بھیج سکتا ہے مگر مہمان نہیں'۔

"ہم ضرور تمھیں سر بھیجنے کی تکلیف دیں گے۔" ہَرش نے پیغام بھجوایا اور جواب میں بھاسکر چینی عالِم کو لے کر آ گیا۔ ہمارے مہاراجہ نے ہیون سانگ کا بڑا شاندار استقبال کیا اور اس سے اس کی ایک تحریر کی وضاحت کے لیے کہا۔ وضاحت اس قدر جامع اور مکمل تھی کہ مہاراجہ نے ایک زبردست مذہبی مباحثہ کا فیصلہ کیا جس میں سب ہی عُلما اور دانشوروں کو شرکت کی دعوتِ عام ہے۔ مہاراجہ یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ اس شخص کو جسے انھوں نے 'ماہرِ علم و قانون' کا خطاب عطا کیا ہے، کیا کوئی شخص شکست دے سکتا ہے۔

"اس اجلاس کی تیّاریاں شروع ہو چکی ہیں۔ مہمانوں کی رہائش اور کھانے وغیرہ کے انتظامات کیے جا چکے ہیں۔ ہزاروں بُدھ بھکشو آ چکے ہیں اور ان میں سے ایک ہزار تو صرف

نالندہ سے آئے ہیں۔ اٹھارہ چھوٹے راجا جو ہرش کے باج گزار ہیں، اپنے عہدیداروں کے ساتھ یہاں موجود ہیں اور مہاراجہ کی آمد کے منتظر ہیں۔ کامروپ کے بھاسکر اور ولّبھی کے دھروسین تو مہاراجہ کے ساتھ ہی ہیں۔

"شہر کے باہر ایک عظیم الشان پنڈال بنایا جائے گا۔ پھاٹک پر ایک اونچا مینار بنے گا۔ بدیشی عالِم اس جلسے کی صدارت کرے گا اور چیلنج کرے گا کہ کوئی اس کے نظریات کو غلط ثابت کردے۔"

جب اجلاس شروع ہوا تو کسی نہ کسی طرح پُنڈریک اپنے دوستوں کے ساتھ اس میں شامل ہوگیا۔ ماہرِ علم و قانون کے خیالات لال روشنائی سے ایک سفید کپڑے پر لکھے ہوئے تھے، جنھیں صدر دروازے پر ایک مناسب جگہ لگانے کی ذمّے داری پُنڈریک کے سُپرد کی گئی تھی۔

مہاتما بُدھ کا ایک سونے کا مجسّمہ بھی ایک مینار پر ایستادہ کیا گیا۔ اس مینار کے نیچے خصوصی مہمانوں، جن میں ہیون سانگ بھی شامل تھا، کے بیٹھنے کا انتظام تھا۔

مباحثہ چار روز تک جاری رہا۔ زائر نے بڑے بااثر طریقے سے بُدھ مت کے مہایان فرقے کی نمائندگی کی اور اپنے خیالات سے مہاراجہ اور ان کی بہن کو بہت متاثر کیا۔ مخالفین جو معلومات میں اس کے پاسنگ بھی نہ تھے اور نہ اس جیسی خوش گفتاری کے مالک تھے، ناراض ہوگئے اور انھوں نے ہیون سانگ کے ساتھ ساتھ مہاراجہ کو بھی اپنی تنقید کا نشانہ بنالیا۔ نوجوانوں میں بھی اس بات کا بہت چرچا تھا۔

"کوئی بھی بدیشی عالِم کی کھُل کر مخالفت نہیں کرسکتا کیوں کہ انھیں مہاراجہ ہرش سے سزا ملنے کا ڈر ہے۔" آیام نے کہا۔

"میرے پتاجی، شاعر بان بھٹ اور کامروپ کے راجا نے بھی بُدھ مت قبول نہیں کیا ہے۔ وہ کٹّر برہمن ہیں۔" پُنڈریک نے بتایا "کوئی بھی سچا مخالف سزا سے نہیں ڈرتا۔ ہیون سانگ ایک زبردست اور سچا عالِم ہے، جس سے کوئی بھی کھُلے دل سے سیکھ سکتا ہے اور وہ خود بھی ہر وقت کچھ نہ کچھ سیکھنے کے لیے تیار رہتا ہے۔"

مُسافِر کی واپسی

ایک سال بعد ہیون سانگ اپنے گھر لوٹنے کے لیے تیّار تھا۔ تینوں لڑکے بھی اسے رُخصت کرنے اور اس کی دُعا لینے آئے۔

"محترم کیا آپ اور ٹھیرنا پسند نہیں کریں گے؟" پُنڈریک نے پوچھا۔ "میرے پتاجی نے بتایا ہے کہ مہاراجہ ہَرش اور راجا بھاسکر نے بھی آپ سے مزید رُکنے کی گزارش کی تھی۔"

اس سلسلے کی دوسری کتابیں

باپو	(حصّہ اوّل)	مصنّف: ایف، سی، فرینّاس	مترجم: صالحہ عابد حسین
〃	(〃 دوم)	〃	〃
کشمیر		مالا سنگھ	خدیجہ عظیم
پرندوں کی دُنیا		جمال آرا	محمد شفیع الدین نیّر
ہمالیہ کی چوٹیوں پر		بریگیڈیر گیان سنگھ	محمد ذاکر
ہماری ندیوں کی کہانی	(حصّہ اوّل)	لیلا مجمدار	رضیہ سجاد ظہیر
〃	(〃 دوم)	ال، وی، اپا	سید احسان
جنّت کی سیر اور دوسری کہانیاں		لیلا وتی بھاگوت	رضیہ سجاد ظہیر
رسیلی کہانیاں		منوج داس	صغرا مہدی
آزادی کی کہانی	(حصّہ اوّل)	وشنو پربھاکر	انور کمال حسینی
〃	(〃 دوم)	سمنگل پرکاش	〃
ہماری ریلیں		جگجیت سنگھ	عرش ملسیانی
ہندوستان میں غیر مُلکی سیاح		کے، سی، کھنّہ	تصاویر: کرشن کھنّہ
آؤ ناٹک کھیلیں		اوما آنند	مترجم: رفیعہ منظور الامین
خالہ بلّی کا خاندان		منوہر داس چترویدی	محمد شفیع الدین نیّر
بہت دِن ہوئے	(حصّہ اوّل)	ایم، چوکسی و پی، ایم، جوشی	رضیہ سجاد ظہیر
〃	(〃 دوم)	〃	پریتم لال
بہادروں کی کہانیاں		راجندر اوستھی	انور کمال حسینی
روہنت اور نندیہ		کرشن چیتنیہ	〃
سدا بہار کہانیاں		شانتا رنگا چاری	〃
بڑا پانی		لیلا مجمدار	صالحہ عابد حسین
ہاکی کا کھیل		سرویندر وسانیال	پریتم لال
ایجادیں جنھوں نے دُنیا بدل ڈالی	(حصّہ اوّل)	میر نجابت علی	سید احسان
〃	(〃 دوم)	〃	〃
مورا		ملک راج آنند	انور کمال حسینی
ڈاک ٹکٹوں کی داستان		ایس، پی، چیٹرجی	سید احسان
ہندوستان کی عظیم کتابیں		منوج داس	پریتم لال
پھول اور شہد کی مکھی		اشوک داور	انور کمال حسینی
سب کا ساتھی، سب کا دوست		اوما شنکر جوشی	〃
سونا کی سیر		تارا تیواری	〃

ہر کتاب کی قیمت : Rs. 1.50
یہ کتابیں ہندوستان کی سب زبانوں میں ملتی ہیں۔

" مجھ پر تو سب ہی مہربان رہے ہیں۔" چینی عالِم نے کہا " لیکن جس خزانے کی تلاش میں میں یہاں آیا تھا، اسے لے کر اب مجھے اپنے وطن واپس جانا چاہیے۔"

" اب آپ کی واپسی پر مہاراجہ آپ کو بے حد تحفے تحائف دیں گے —" آیام بولا۔

" ایک زائر کو ذاتی طور پر تحفے تحائف کی ضرورت نہیں ہوتی۔" چینی بھکشو نے جواب دیا " ویسے میں ایک زبردست خزانہ اپنی خانقاہ اور لوگوں کے لیے لے جا رہا ہوں — ۶۵۰ سنسکرت کے علمی نسخے اور ان کے ساتھ عظیم و مُقدس یادگاریں اور بُدھ کے مجسّمے۔"

" کیا آپ کسی قافلے کا انتظار کریں گے، جناب؟" وسوبھوتی نے پوچھا۔

" نہیں، میں جیسے تنہا آیا تھا، اسی طرح واپس چلا جاؤں گا۔" زائر نے کہا۔

" لیکن تمھارے مہاراجہ نے شمالی مملکتوں کے دوسرے راجاؤں کے نام ایسے خط دیے ہیں جو کہ سفید کپڑے پر تحریر ہیں اور جن پر شاہی مُہر لال موم پر ثبت کی گئی ہے۔"

" کیا آپ دوبارہ یہاں آئیں گے؟" وسوبھوتی نے پوچھا " میں آپ سے ملنے کے لیے مُلک کے آخری کونے سے بھی یہاں آسکتا ہوں۔"

" مجھے اپنا وطن چھوڑے ہوئے چودہ برس ہو چکے ہیں۔" بھکشو نے جواب دیا " اب میں اپنی زندگی کا بقیہ حصّہ ان مُسوّدات کے ترجموں اور تفسیروں میں صَرف کروں گا جو میں یہاں سے لے جا رہا ہوں لیکن مجھے مہاتما بُدھ کے وطن کے لوگوں کی رفاقت اور دوستی ہمیشہ ہمیشہ یاد رہے گی!"

گورنمنٹ
اردو لائبریری پٹنہ
۱۹۳۸

اس سلسلے کی دوسری کتابیں

کتاب	حصہ	مصنف	مترجم
پاپو	(حصہ اول)	مصنف: ایف، سی، فریشاس	مترجم: صالحہ عابد حسین
	(،، دوم)	،،	،،
کشمیر		،، مالا سنگھ	،، خدیجہ عظیم
پرندوں کی دُنیا		،، جمال آرا	،، محمد شفیع الدین نیّر
ہمالیہ کی چوٹیوں پر		،، بریگیڈیر گیان سنگھ	،، محمد ذاکر
ہماری ندیوں کی کہانی	(حصہ اول)	،، لیلا مجمدار	،، رضیہ سجاد ظہیر
	(،، دوم)	،، ال، وی اپا	،، سید احسان
جنت کی سیر اور دوسری کہانیاں		،، لیلا وتی بھاگوت	،، رضیہ سجاد ظہیر
رسیلی کہانیاں		،، منوج داس	،، صغرا مہدی
آزادی کی کہانی	(حصہ اول)	،، وشنو پربھاکر	،، انور کمال حسینی
	(،، دوم)	،، سمنگل پرکاش	،،
ہماری ریلیں		،، جگجیت سنگھ	،، عرش ملسیانی
ہندوستان میں غیر مُلکی سیاح		،، کے، سی، کھنّہ	تصاویر: کرشن کھنّہ
آؤ ناٹک کھیلیں		،، اوما آنند	مترجم: رفیعہ منظور الامین
خالہ بلی کا خاندان		،، منوہر داس چترویدی	،، محمد شفیع الدین نیّر
بہت دن ہوئے	(حصہ اول)	،، ایم، چوکسی و پی، ایم، جوشی	،، رضیہ سجاد ظہیر
	(،، دوم)	،،	،، پریتم لال
بہادروں کی کہانیاں		،، راجندر اوستھی	،، انور کمال حسینی
روہنت اور نندیہ		،، کرشن چیتنیہ	،،
سدابہار کہانیاں		،، شانتا رنگاچاری	،،
بڑا پانی		،، لیلا مجمدار	،، صالحہ عابد حسین
ہاکی کا کھیل		،، سرو دیند وسانیال	،، پریتم لال
ایجادیں جنھوں نے دُنیا بدل ڈالی	(حصہ اول)	،، میر نجابت علی	،، سید احسان
	(،، دوم)	،،	،،
مورا		،، ملک راج آنند	،، انور کمال حسینی
ڈاک ٹکٹوں کی داستان		،، ایس، پی، چیٹرجی	،، سید احسان
ہندوستان کی عظیم کتابیں		،، منوج داس	،، پریتم لال
پھول اور شہد کی مکھی		،، اشوک داور	،، انور کمال حسینی
سب کا ساتھی، سب کا دوست		،، اوما شنکر جوشی	،،
سونا کی سیر		،، تارا تیواری	،،

ہر کتاب کی قیمت : Rs. 1.50

یہ کتابیں ہندوستان کی سب زبانوں میں ملتی ہیں۔